اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق
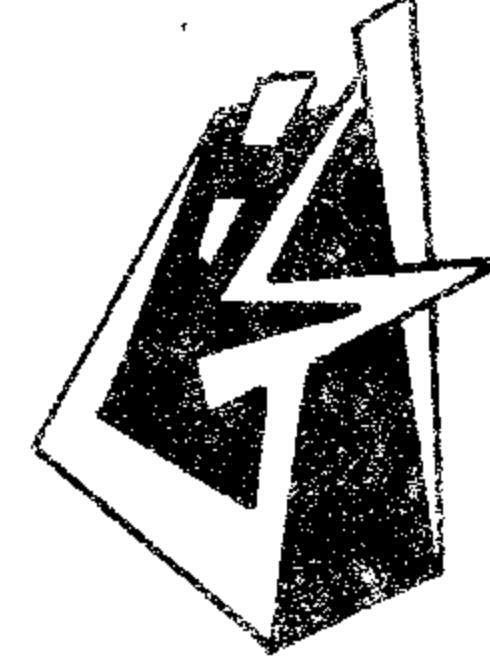
اکوڑہ خٹک

فون نمبر	دارالعلوم : ۴
	رہائش : ۲
جلد نمبر	۱۵
شمارہ نمبر	۵، ۶
ربیع الثانی	۱۴۰۰ھ
فروری/مارچ	۱۹۸۰ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ ۲۵/ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

سمیع الحق

صدی کے اختتام پر دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجتماع ہو رہا ہے۔ اسی صدی کے اختتام پر اس کے روحانی فرزندوں نے لیلائے اسلام پر اپنی جان نذر کی۔ یہ تازہ خون شہداء ہم بطور خراج تحسین دارالعلوم دیوبند کی نذر کر رہے ہیں۔

جہادِ افغانستان کے حقانی شہداء

شہداء اسلام پر نثار ہونے والے

فضلاء دارالعلوم حقانیہ

غیور و جسور مسلمان مملکت افغانستان میں روس نواز اور بالآخر روسی انقلاب کے بعد حمیت اسلامی سے سرشار علماء حق و مشائخ کرام اور جان نثار مجاہدین کی جماعتیں روسی مرتجیت کے مقابلہ میں جس سر فروشی اور قربانی کا مظاہرہ کر رہی ہیں اس نے اسلام کی تاریخ جہاد و عزیمت میں ایک شاندار باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ ہمیں خوشی ہے اور خدائے ذوالجلال کے ممنون ہیں کہ اس طویل اور عظیم جہاد میں جو شاید اس صدی میں سرخ روسی سامراج کے مقابلہ میں پہلا بھرپور اور عظیم جہاد ہے۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تعلیم پانے اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والے افغانی علماء اور فضلاء کا بھی عظیم حصہ ہے۔ یہ حقانی جان نثار اس کارزار حق و باطل کا فرسٹ لائن ثابت ہو رہے ہیں۔ اور جیسا کہ دارالعلوم حقانیہ کا مادر علمی دارالعلوم دیوبند اپنے دور میں مغربی سامراج کے لئے قہر الٰہی ثابت ہوا، اس طرح آج بحمد اللہ دارالعلوم حقانیہ اپنے مستفیدین اور قابل فخر افغانستانی فضلاء کی شکل میں دنیا کی سب سے بڑی ظالم و جابر اشتراکی قوت کیلئے سدِ سکندری بنا ہوا ہے۔ اور آج کئی جماعتوں اور اہم محاذوں کی ہائی کمان ان کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اس جہاد کے تمام شہداء تمام مجاہدین کو عموماً اور اپنے حقانی فرزندوں کو سلام پیش کرتے ہیں جن کے دم سے آج پانی پت، بالاکوٹ اور شاملی کی تاریخ قندھار و ہرات اور جلال آباد و ترکستان میں دہرائی جا رہی ہے ــــ اس جہاد میں دارالعلوم حقانیہ کے جو عظیم سپوت شہید ہو گئے ہیں ہماری کوشش ہے کہ اگر ان کے نام اور مختصر حالات ہمیں معلوم ہو سکیں تو انہیں الحق کے صفحات پر بھی ثبت کر دیا جائے۔ گو اصل دوام و ثبات اور حیات جاودانی تو جریدۂ عالم پر انہیں حاصل ہو چکی ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ ۔ فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر ۔۔ الآیہ ۔ (سمیع الحق)

مولانا محمد اللہ قندھاری شہیدؒ

ناموسِ اسلام پر مرمٹنے والا یہ نوجوان گل سرسبد ۔ ۱۷ ر شوال المکرم ۱۳۹۷ھ میں دار العلوم حقانیہ میں داخل ہوئے والد ماجد کا نام مولانا عبد القادر ہے ۔ قندھار کے قریہ زنگ آباد پنجوائی سے تعلق تھا ۔ دار العلوم میں دو سال تک موقوف علیہ دورہ کی تکمیل کی پھر دورۂ حدیث شریف میں شامل ہوئے ۔ ابھی سہ ماہی امتحان ہوا تھا کہ افغانستان میں انقلاب کے بعد طبلِ جہاد بلند ہوا دورۂ حدیث شریف شوقِ جہاد میں نا تمام چھوڑ کر چلے گئے ۔ حرکت انقلاب اسلامی افغانستان سے وابستہ ہو کر قندھار کے محاذ پر کام شروع کیا ۔ اور اس اثناء میں افغان حکومت نے گرفتار کر کے قندھار جیل میں بند کر دیا ۔ ان کے ساتھ کئی ایک اور بھی دار العلوم حقانیہ کے حقانی طلباء رفیقِ جیل تھے ۔ یہاں مولانا محمد اللہ قندھاری مرحوم پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے گئے بجلی کے ظالمانہ شارٹ بے دردی سے دیئے جاتے ۔ بھوکا پیاسا ہفتوں تک رکھا گیا ساتھیوں کے ہاتھ بھی پشت کی طرف باندھ دئے جاتے کہ کوئی انہیں ایک گھونٹ پانی نہ دے سکے ۔ وہ تڑپتے رہے مگر عزم ایمانی میں تذبذب نہ آیا ۔ سرخ سامراج کے کارندے افغان سپاہی آہنی بوٹوں سمیت انہیں سیدھے منہ لٹا کر پیٹ پر اور جسم کے نازک حصوں پر اچھلتے کودتے مگر وہ چونکہ روحِ بلالیؓ سے سرشار تھے ، عزیمت و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے ۔ بارہا انہیں پشت کی جانب باندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ٹھوکر مار دی جاتی اور وہ گردن کے بل نیچے لڑھک جاتے اسی حالت میں ایک بار سیڑھیوں سے اترتے ہوئے انہیں دھکا دیا گیا وہ زمین پر آ رہے اور گردن ٹوٹ گئی اس طرح ایک مجاہدِ عظیم کی روح قندھار جیل میں اپنے مطلوب و محبوب شہادت اور وصالِ حقیقی سے سرشار ہو گئی ۔ ان کے ساتھی طلباء حقانیہ حالیہ انقلاب تک اسی جیل میں رہے ۔ مرحوم کس استعداد اور علمی ملکات کے مالک تھے اور آئندہ چل کر کتنے بہترین عالم بن جاتے اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ انہوں نے موقوف علیہ دورہ کے سالانہ امتحانات میں مشکوٰۃ میں ۹۰ بیضاوی میں ۸۵ جلالین میں ۱۰۰ اور فوز الکبیر میں ۵۵ نمبرات حاصل کئے ۔ فرحمہ اللہ وارضاہ ۔

مولانا شیرا جان شہیدؒ

ولدیت کابل ادسوالی (تحصیل) سروبی افغانستان کے یہ شہیدِ اسلام دار العلوم حقانیہ میں درجہ علیا کی کتابیں

مشکوٰۃ شریف جلالین شریف وغیرہ پڑھتے رہے کہ جذبۂ ایمانی سے سرشار روح نے بے چین کر دیا اور نمناک آنکھوں سے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کو الوداع کہہ کر عازم وطن ہوئے اپنے عظیم اور مجاہدانہ خدمات کی بناء پر حرکت انقلاب اسلامی کیطرف اپنے علاقے کے سارے محاذ جبہۂ سروبی کے امیر (کمانڈر) مقرر ہوئے اور دشمن کو زک پہنچاتے رہے ۔ ۲۔ برج ثور کو صبح نماز فجر سے فارغ ہوئے تھے کہ اشتراکی ایمان فروشوں خلقی ایجنٹوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور گرفتار ہونے کے بعد بے دردی سے شہید کر دئے گئے ۔ ظالموں نے اس پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اخلاق و انسانیت سے عاری ملعون روسی کارندوں نے ایک شہید طالب علم علوم نبوت طالب العلم ایک نوجوان مجاہد کی لاش کو ٹریکٹر سے باندھ کر سروبی کے بازاروں میں پھرایا کر رندھ ڈالا ۔ اور اس دوران اشتراکی افغان ایجنٹ لاش مبارک پر پیشاب بھی کرتے رہے اور ایک شہید کی ڈاڑھی بھی نوچ نوچ کر اپنی ذلت ابدی میں اضافہ کرتے رہے ——— مرحوم نے دارالعلوم میں قیام کے دوران اخلاقی اور علمی صلاحیتوں اور خوبیوں کا مظاہرہ کیا ۔ سہ ماہی امتحان ۱۳۹۹ھ میں انہوں نے مشکوٰۃ شریف میں ۱۰۰ اور بیضاوی جلالین ہدایہ اخیرین میں بھی عمدہ نمبرات سے کامیاب ہوئے اور پھر سب سے شاندار کامیابی تو کارزار حق و باطل میں حاصل کی کہ روح مبارک نے پکار کر کہا ہوگا کہ فزت و رب الکعبہ ۔ رب کعبہ کی قسم حقیقی کامیابی تو یہی تھی خدائے حی قیوم اس شیر بیشۂ اسلام شیر ایمان کے خون شہادت کے صدقے گلشن اسلام کو دشمن کے تاخت و تاراج سے محفوظ کر دے ۔

مولانا محمد ایوب قندھاری شہیدؒ

اسلام کے اس فرزند جلیل دارالعلوم حقانیہ کے اس اولوالعزم حقانی فرزند نے حال ہی میں نہایت اہم اور شاندار خدمات انجام دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا وہ اپنے محاذ کے قائدانہ فرائض اور ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے ۔ اپنے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ نے انہیں ۱۱ شوال ۱۳۸۶ھ کو اپنی آغوش علم و معرفت میں لیا ۔ اور وہ تقریباً دس برس تک اس سرچشمۂ کتاب و سنت کے آب زلال سے اپنے قلب و سینہ کو شاداب و آباد کرتے رہے ۔ ایمان کی یہ کھیتی جب لہلہا اٹھی تو دشمن خدا و رسول اعداء اسلام کیلئے غیظ و غضب کا سامان بن گئی ۔ کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم الکفار ۔

حزب اسلامی کے عظیم حقانی قائد مولانا محمد یونس خالص کے زیر قیادت قہر الٰہی بن کر خرمن کفار پر یلغار کرتے رہے وہ حزب اسلامی کے دوسرے عظیم قائد اور مجاہدین حزب اسلامی کے چیف کمانڈر حضرت مولانا جلال الدین حقانی (فاضل حقانیہ و سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ) کے دست راست اور معتمد ترین ساتھی تھے ۔ کہ مادر علمی میں بھی دونوں نے اکٹھے رہ کر طویل عرصہ طالب العلمی میں گزارا تھا ۔ حال ہی میں مولانا جلال الدین چیف کمانڈر پکتیا وغیرہ جب دارالعلوم تشریف لائے

ور جامع مسجد دارالعلوم میں طویل خطاب فرمایا، تو دوران خطاب اپنے اس عظیم ساتھی کی شہادت کا ذکر کیا اور بڑے درد سے کہاکہ ان کی شہادت سے میرا دست راست ٹوٹ گیا۔ اس مجسمۂ علم و عمل شہید عالم حقانی نے دارالعلوم میں زندگی کا ایک عشرہ گزارا اور تمام اساتذہ اور طلبہ کو مکارم اخلاق سے گرویدہ بنائے رکھا۔

۱۳۸۶ھ میں دارالعلوم میں داخل ہونے والا یہ ہونہار طالب العلم ۱۳۹۴ھ میں حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر اعلیٰ نمبرات سے فارغ التحصیل ہوکر ایک مدرس و مبلغ و مجاہد عالم بن کر نکلا، ان کے والد ماجد کا نام مولانا نقیر محمد تھا، قندھار کے مضافات میں توغی نامی گاؤں کے باشندے تھے۔ گو ان کی شہادت سے —— "حزب اسلامی افغانستان" —— ایک نڈر سپاہی اور جرنیل سے محروم ہوگئی مگر وہ اپنے اقران و معاصرین کے لئے نشان راہ بن گئے اور اپنے مادر علمی درسگاہ علم و مرکز تربیت کیلئے ذخیرۂ عقبیٰ و فرط آخرت بھی اللھم ارض عنہ وارفع درجتہ۔ آمین

مولانا عبدالخالق شہیدؒ

خدائے قہار کے مغضوب و ذلیل کمیونسٹوں کا نشانہ بننے والا یہ شہید پچھلے دنوں ۱۹۷۹ء افغانستان کے ولایت توگر —— میں شہید ہوئے شہادت سے قبل جہاد و جہد ایمانی کے اعلیٰ نقوش صفحۂ تاریخ پر مرتسم فرمائے ۱۷،۱۸ شوال ۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوئے ۱۳۹۸ھ میں علوم و فنون کی تکمیل کی اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ و دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ دورۂ حدیث کے امتحانات سالانہ میں ان کا نتیجہ یہ تھا۔ بخاری شریف ۹۵ - ترمذی ۷۰ مسلم شریف ۱۰۰ - ابوداؤد شریف ۸۰ سنن و شمائل ۱۰۰ - طحاوی شریف ۱۰۰ دارالعلوم کے فارم داخلہ میں ان کا پتہ یہ ہے :- مولانا عبدالخالق ولد سفر محمد مقام ماندرہ انکمش ضلع تخار، ترکستان -

مولانا عبدالخالقؒ اپنے زہد و تصوف تقشف اور قناعت کی بناء پر اپنے ساتھیوں میں صوفی عبدالخالق کے نام سے مشہور تھے، الحمدللہ کہ دارالعلوم حقانیہ کا یہ جلیل القدر فرزند متاع اسلام کی حفاظت کیلئے جان لٹا گیا اور گلشن محمدی کا یہ مہکتا ہوا پھول بھی محبوب حقیقی کی راہ میں بکھر کر حیات جاودانی حاصل کر گیا ے

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شہادت کس انداز سے پائی کہ اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ دشمن پر یلغار کی جسم پر چھ گولیاں لگیں جب بھی گولی سے جسم میں سوراخ ہوجاتا اپنے کپڑے پھاڑ کر زخم میں ٹھونس دیتے۔ ذرا زخم بند ہوجاتا تو آگے بڑھتے لگتے۔ پانچ گولیوں کے بعد آخری گولی لگی اور جام شہادت نوش فرمایا۔

مولوی محمد سرور ضیاء شہیدؒ

کاروانِ شہداء کے یہ رہرو حق ۲۴ شوال ۱۳۹۶ھ کو دار العلوم حقانیہ میں داخل ہوئے اور شہادت سے چند روز قبل تک چار سال برابر دار العلوم میں تعلیم پاتے رہے۔ تعلق افغانستان کے علمی خانوادہ سے تھا۔ ایک علم دوست عالم مولانا حاجی غلام سید کے گھر قریہ سنگ نیاز ہی السوالی علینگار ولایت لغمان افغانستان میں پیدا ہوئے مقامی مکاتب دینی علوم کی تحصیل کے بعد دار العلوم حقانیہ سے وابستہ ہوئے۔ اخلاق و شرافت، علم و ذہانت کا یہ گل رعنا اپنے اخلاقِ کریمانہ اور نجابت سے دار العلوم کو متاثر کرتے رہے۔ خاموش طبیعت، متواضع اس با ادب طالب علم نے اس سال شوال ۱۳۹۹ھ میں میں دورۂ حدیث کی موقوف علیہ کتابوں میں داخلہ لیا۔ غلغلہ جہاد نے بے چین کر دیا۔ شوقِ شہادت شوقِ جہاد تحصیلِ علم پہ غالب آیا۔ اور ۲۰ ذی الحجہ کو مادر علمی سے بعزم جہاد عازم وطن ہوئے اور حزبِ اسلامی کے گروپ کے زیرکمان اپنے علاقہ میں جہاد و جہد اور فدائیت کے عظیم مظاہرے کرتے ہوئے ۱۵ جدی کو علاقہ علینگار میں مجاہدین کے ایک سر بکف دستہ کی معیت میں جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ جاتے وقت وصیت کر گئے تھے کہ دار العلوم کی طرف سے نصاب کی مستعار کتابیں بعد از شہادت دار العلوم کو پہنچائی جائیں۔ علوم دینیہ کی دو چار ذاتی درسی کتابوں کے بارہ میں بھی کہہ گئے کہ مادر علمی کے کتب خانہ میں داخل کر دی جائیں۔ دوستوں نے وصیت پر عمل کیا۔ ایک شہید راہ حق کا یہی کچھ اثاثہ تھا اور ایک متاع گرانمایہ جان جو جان آفرین کے سپرد کر گئے اور کتابیں مادر علمی پہنچ گئیں ۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

حزبِ اسلامی افغانستان کے سرکاری اور جنگی گزٹ "شہادت" نے ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کے شمارہ میں اپنے چمنِ اسلام کے اس نوخیز پھول کو جو کھلنے سے قبل ہی عظمتِ اسلام پہ نچھاور ہو گیا دو طویل کالموں میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ــــ " ایں رہ رو راہ حق شہید (مولوی صاحب ضیاء) در طول مدت سپری شدہ از موقع ورود تا لحظۂ شہادت در آنجا از ہیچ نوع رشادت ۔ دلاوری و فداکاری در راہ برانداختن کافران زماں دریغ نکرد که جد و جہد و پیش رفت روز افزوں ایں مجاہد اکبر در امور جہاد شہرہ خاص و عام است ایں فدائی راہ اسلام بالآخر بعد از جان فشانی ہائی زیادی در راہ اعلاء کلمۃ اللہ بہ تاریخ ۱۵ جدی در عملیاتیکہ علیہ ملحدین در ولسوالی علینگار از طرف مجاہدین سربکف حزبِ اسلامی صورت گرفت داعی اجل را لبیک گفتہ بہ شہادت رسید (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آخر میں اس مجاہد جلیل کی فدائیانہ اور مؤمنانہ تعلیم و تربیت پر ان کے مادرِ علمی دار العلوم حقانیہ سے تعزیت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ــــ " حزبِ اسلامی بدیں وسیلہ تسلیت و ہمدردی خود را بہ فامیل محترم شان و استادان دار العلوم حقانیہ کہ چنیں شاگرد فداکاری تربیہ نمودہ اند اظہار نمودہ از بارگاہ ایزد توانا صبر کامل و اجر جمیل برایشان

سعادت می نماید۔

علوم وفنون میں آپ کی استعداد وصلاحیت کا نمونہ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ امتحان میں تلویح وتوضیح میں ایک سو دو اور شرح عقائد میں ننانوے نمبرات حاصل کئے۔

مولانا باقی باللہ شہیدؒ

مولانا باقی باللہ ولد مولانا حبیب اللہ سکنہ اخوندخیل میری غزنی افغانستان ۸ سال قبل ۱۲ر شوال ۱۳۹۲ھ کو دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوئے۔ علم وعمل کا یہ شجرۂ طوبیٰ اب بارآور ہونے کے قریب تھا۔ اور اس سال ۱۴۰۰ھ میں ۱۰ محرم سے دورۂ حدیث شریف میں شامل ہوگئے اس وقت وہ بظاہر بڑے پرسکون تھے نورانی چہرہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ مگر اپنے علاقہ غزنی میں آنے سے قبل کفر سے برسرپیکار رہ کر زخمی ہوگئے تھے زخم اندر اندر رستا رہا کچھ عرصہ بعد مجھ سے پشاور کے کسی ڈاکٹر کے نام تعارفی خط مانگا۔ میں نے کہا کہ بظاہر تو آپ بالکل ٹھیک ہیں، انہوں نے دامن اٹھا کر اپنا پہلو دکھایا تو ایک گھاؤ تھا جو ناسور بن رہا تھا۔ ڈاکٹر نے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں زیر علاج رکھا پھر آپریشن کیا گیا مگر ملاء اعلیٰ کی ملکوتی کائنات مشتاق تھی زخم بڑھ گیا اور وہ پچھلے جمعہ ۲۹ر فروری مطابق ۱۲ر ربیع الثانی ہسپتال میں واصل بحق ہوئے۔ نماز جنازہ پشاور میں پڑھا گیا اور مشہور عارف وصوفی عبدالرحمان بابا کے قبرستان میں یہ غریب الوطن طالبگار علوم نبویہ۔ شہادت حقیقی وحکمی کے چند در چند درجات پاتے ہوئے سپرد خاک ہوئے۔

زمین زخون شہیدان ما خضاب گرفت چنین عبث تو بہ سرخی ایں شفق منگر

جماعت مجاہدین حرکت انقلاب اسلامی کیطرف سے ان کو دیا گیا شناختی اور تعارفی کارڈ اس وقت ان کے نورانی فوٹو کے ساتھ میرے سامنے موجود ہے جس پر امیر حرکت کیطرف سے پشتو میں یہ ایمان پرور عبارت لکھی گئی ہے۔ گرانہ مجاہد مسلمان ورورہ باقی باللہ ایمانی جذباتو محصول خدمتونہ دے خدائے قبول کمرہ یہ گران افغانستان دکفر تورہ تیارہ راغلی دہ ہمت ملا کلکہ وتہرہ دکمیونزم استبدادی رجیم سرہ مردانہ وار جہاد دکمرہ توفیق دے نصیب شہ۔

یعنی میرے عزیز گرانقدر مسلمان بھائی تمہارے ایمانی جذبات پر مبنی خدمات کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ عزیز! افغانستان پر کفر کے گہرے اندھیرے چھا گئے ہیں۔ کمر ہمت مضبوطی سے باندھ کر کمیونزم کے رجیم استبداد سے مردانہ وار جہاد کرو توفیق خداوندی تمہارا شامل حال ہو۔

پھر ہمارے عزیز اور محبوب طالب العلم مولانا باقی باللہ نے اس نصیحت پر کیسے عمل کر دکھایا۔؟ فرحمۃ اللہ وارضاہ

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسلسلہ اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند
بنیادی اصول اور مسلک

تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی۔ ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا صرف ڈھول کی منادی میں" ملک بادشاہ کا" رہ گیا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے۔ دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے سے ختم ہو رہی تھیں۔ علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ دینی شعور رخصت ہو رہا تھا۔ اور جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کی بجائے جاہلانہ رسوم و رواج، شرک و بدعت اور ہوا پرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے مشرقی روشنی چھپتی جا رہی تھی اور مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا جس سے دہریت والحاد و فطرت پرستی اور بے قیدی، نفس، آزادیٔ فکر اور بے باکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جس سے نگاہیں خیرہ ہو چکی تھیں اسلام کی جیتی جاگتی بہار آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خد و خال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا۔ خوش آواز و شیریں ادا پرندوں کے زمزمے مدہم ہوتے جا رہے تھے اور ان کی جگہ زاغ و زغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی یہ اور اسی قسم کے اور ہزارہا حوادث اور المناک واقعات کے چند اجمالی عنوانات ہیں جن سے اس وقت کے ہندوستان کی مسموم فضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے ؏

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا اور یہ کہ اب ہندوستان بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کے لئے کمربستہ ہو چکا ہے کہ اچانک چند نفوس قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ، دین کو بچانے اور اس کے راستے سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارے میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعے مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے۔ اور تعلیم و تربیت کے راستے

سے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے۔ اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں۔ اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی، معاشرتی، تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی راہ نمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ ان مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے راہ نما اور لیڈر نہ تھے۔ بلکہ خدارسیدہ بزرگ اور اولیائے وقت تھے۔ اور ان کی یہ باہمی گفت و شنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ واضح ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے۔ چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے۔ کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ منجانب اللہ محسوس ہوا کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے۔ ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجتماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارے میں منجانب اللہ واقع ہوا۔

اس سے جہاں یہ واضح ہوا کہ اس وقت کے ہندوستان میں قیام مدرسہ کی تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی۔ بلکہ منجانب اللہ تھی، وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردے میں اسلامی علوم و فنون کی تعلیم اور اسلامی نسلوں کی دینی، اخلاقی اجتماعی اور روحانی تربیت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اور ملک گیر اصلاح کی روح چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا جس کے تدارک کی فکر تھی وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا اس لئے اس کے دفعیہ کی یہ الہامی رنگ تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی۔ بلکہ اس میں عالمگیریت پنہاں تھی۔ گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی۔ مگر اس وقت اس میں ایک تناور شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس سلسلے میں ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی حضرت اقدس نے بانیٔ اعظم دارالعلوم کی حیثیت سے اسلامی زندگی کے لئے جس آفاقی روح سے کام لیا تھا اس کی برکت سے ملک کے مختلف حصوں میں جامعہ قاسمیہ، قاسم العلوم، مدرسہ قاسمیہ کے نام سے مدارس و مکاتب کا عظیم سلسلہ شروع ہو گیا اور ایک ایسی مقدس علمی برادری قائم ہو گئی جس کے ہزاروں افراد اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھنا باعث برکت سمجھتے ہیں اور یہ افراد ہر بر اعظم میں پائے جاتے ہیں۔

بنائے دارالعلوم | کچھ مدت گذرنے کے بعد یہ مبارک تجویز عملی صورت میں نمودار ہوئی اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق

۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ بنا رکھنے کی تفصیلات سوانح قاسمی میں ملیں گی۔ اس بنا پر خصوصیت سے حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب قدس سرہ قابل ذکر ہیں۔ جن کا ہاتھ ابتدا ہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا۔ یہ حضرات خصوصیت سے بانی اعظم حضرت نانوتوی قدس سرہ کے دست و بازو رہے ہیں اور بنائے مدرسہ کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن رکین کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً شریک رہے ہیں۔ بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس خیر کے رکن رکین ہوئے اور بالآخر حضرت نانوتوی کے ارشادات و ایما پر دارالعلوم کے عہدۂ اہتمام پر فائز ہوئے۔ اور آپ کا عہدۂ اہتمام خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ دارالعلوم کی معنوی بنا کے لئے تو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آٹھ اصول تجویز فرمائے جو اس ادارے میں تمام قوانین کے لئے اساس و بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ اصول عملی تحریر فرمائے جو اس ادارے کے نظم و انتظام کی اساس و بنیاد ہیں۔ دونوں بزرگوں کے اصول ہشت گانہ درج ذیل ہیں۔ جو اس دارالعلوم کی حکمت عملی اور نظم و انتظام کی اساس ہیں۔

۸۔ بنیادی اصول

۱۔ اصول اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں۔ خیر اندیشان مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے۔ ۲۔ ابقاء طعام طلبہ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔ ۳۔ مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو۔ اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی۔ کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہ دل سے ہر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے۔ سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں۔ اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے۔ اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا۔ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

۴۔ یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵۔ خواندگی مقررہ اسی انداز سے جو پہلے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے۔ ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا۔

اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶۔ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ، تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی۔ اور کارکنان میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی رہے۔

۷۔ سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے۔ جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ انتظامی اصول | ہر کارخانہ کے امور جزیہ کی بنا ایک شخص کی رائے پر رہنی چاہئے۔ اسی قاعدہ پر اس کارخانہ کے امور جزیہ کے انجام میں کسی صاحب کو اہل مشورہ میں سے دخل نہ ہوالا مشورہ اور رائے کہ وہ اپنے موقع پر اظہار فرمادیں۔ جیسے اہل شوریٰ مل کر پسند کریں۔

۲۔ امور جزیہ میں جو کوئی صاحب بندہ کے مددگار ہوں گے یا اچھا مشورہ دیں گے۔ بندہ ان کا مشکور ہوگا مگر انجام ان کا موقوف بندہ ہی کی رائے پر رہنا چاہئے۔

۳۔ جس کسی صاحب کو خواہ اہل شوریٰ، خواہ اور عام خلق کا کوئی امر قابل اعتراض معلوم ہو تو مہتمم سے مزاحمت نہیں جلسۂ شوریٰ میں پیش کر کے اس کو طے کرائیں اور جیسا قرار پاتے اس کے انجام پر مہتمم کو عذر نہ ہوگا۔

۴۔ مشورہ کے جلسے جب کبھی ہوں بے حاضری مہتمم نہ ہوں گے۔ اگرچہ اس کی ہی بات پر خوردہ ہو اور بعد اہل شوریٰ کو اختیار اعتراض کا ہر وقت ہے اور مہتمم کو موقع جواب کا۔

۵۔ مہتمم اگر اہل شوریٰ کے اجتماع تک کسی امر ضروری کے انجام پر انتظار نہ کر سکے تو بذریعہ خط سب صاحبوں کو اطلاع دے گا۔ اور اس ضروری امر کو صاحبوں کو قبول کرنا ہوگا۔

۶۔ آمدنی مدرسہ کی مہتمم کے ہاتھ میں رہے گی کیونکہ صرف ضروریہ کے لئے کسی قدر روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے حاجت ضروری سے زیادہ روپیہ جمع ہو جائے تو خزانچی کے پاس جمع کر دیا جائے گا۔

۷۔ ہر روز وقت مقررہ مدرسہ پر مہتمم مدرسہ جایا کرے گا۔ اور اسی وقت میں امور متعلقہ مدرسہ کو انجام دیا کرے گا۔

۸۔ مناسب ہے کہ سب اہل شوریٰ مل کر اپنے دستخط اس صفحہ پر فرمادیں کہ مہتمم کو جائے سند رہے۔

دارالعلوم کی تاسیس اور پیشین گوئیاں | دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں۔ ایک انار کا

درخت ہے اس درخت کے نیچے سے آبِ حیات کا یہ چشمہ پھوٹا اور اسی چشمے نے ایک طرف دین کے چمن کی آبیاری شروع کر دی اور دوسری طرف اس کی تیز و تند رو نے شرک، بدعت، فطرت پرستی، الحاد و دہریت اور آزادی فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روزِ بد دکھایا تھا۔

بانیٔ دارالعلوم کا یہ خواب کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطرافِ عالم میں پھیل رہی ہیں" پورا ہوا اور مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہو گئی۔ دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کا یہ خواب کہ "علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں" خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔

اور اس مدرسہ کے ذریعہ ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دئیے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوس قدسیہ کا علم آج کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا ہے حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی دیوبند سے گذرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تھے جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہے تو فرمایا تھا کہ "مجھے اس جگہ سے علم کی بُو آتی ہے" پس وہ خوشبو جس کو سید صاحب کی روحانی قوت شامہ نے سونگھا تھا۔ ایک سدا بہار گلاب کا پھول بلکہ گلاب آفریں درخت کی شکل میں آ گئی۔ جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختۂ گلاب بن گیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی۔ بیج سے کلی بنے گی۔ شگفتہ کلی سے پھول کھلے گا پھول سے گلدستہ بنے گا۔ اور اس گلدستہ کی خوشبو سے سارا عالم انسانیت مہک اٹھے گا۔ اور کسے پتہ تھا کہ ایشیا کی فضا میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس وقت کے برطانوی ہند میں فاتح قوم (انگریز) کو فکر تھی۔ کہ ہندوستان کے دل و دماغ کو یورپین سانچے میں کس طرح سے ڈھالا جائے جس سے برطانویت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے۔ ظاہر ہے کہ دل و دماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم ہو سکتی تھی۔ جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے جن کو لے کر تعلیم آگے آتی ہے۔ اس لئے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کے لئے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی اور وہ اسکولی اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یورپ سے ہندوستان پہنچا اور یہ نعرہ بلند کیا۔ کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں" یقیناً یہ آواز جب کہ ایک فاتح اور برسرِ اقتدار قوم کی طرف سے اٹھا اور تقاضی وہ تعلیم کا۔ جو بذات خود ایک انقلاب آفریں حربہ ہے تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب آفریں حربہ ہے۔ تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطر خواہ اثر ڈالا۔ اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنا شروع ہو گئیں۔ جو اپنے گوشت پوست کے لحاظ سے یقیناً ہندوستانی تھیں لیکن اپنے طرز فکر

اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جوہر نمایاں ہونے لگیں، اس قسم کی خطرناک انقلاب کو دیکھ کر بانی
دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم قائم کرکے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ
"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے کچھ بھی ہوں دل و دماغ کے لحاظ سے
ان میں اسلامی شعور زندہ ہو، اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا۔ اور بات یک طرفہ
نہیں بلکہ ایک طرف مغربیت شعار نے جنم لینا شروع کیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اور اسلامیت طراز جتھہ
بھی برابر کے درجہ میں آنا شروع ہو گیا جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے مشرق کو بہالے جائے
گا۔ بلکہ اگر اس کی روک تھام نہ ہوا تو ایسے بند بھی باندھ دئے گئے ہیں جو اسے آزادی سے آگے نہ بڑھنے
دیں گے۔ بہرحال وہ ساعت مسعود آگئی کہ مدرسہ کا آغاز ہوا اور اس کی تعمیر و ترقی کی ملی تعلیم عملاً ساعت وجود میں آ
گئی۔ ملا محمود دیوبندی تھے جو حضرت بانی دارالعلوم کے امر پر مدرسہ دیوبند کا یہ تعلیمی منصوبہ جاری کرنے کے لئے
بحیثیت مدرس میرٹھ سے دیوبند تشریف لائے) اپنے سامنے ایک شاگرد کو کہ ان کا نام بھی محمود ہی تھا اور آخر کار
شیخ الہند مولانا محمود حسن کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ بٹھا کر کسی عمارت میں نہیں جو مدرسہ کے نام بنائی
گئی ہو بلکہ چھتہ کی مسجد کے کھلے صحن میں ایک انار کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اس مشہور عالم درس گاہ دیوبند کا
افتتاح کر دیا۔ نہ کوئی مظاہرہ تھا نہ شہرت پسندی کا کاروبار اور جذبہ، نہ نام و نمود کی تڑپ تھی اور نہ پوسٹر و اشتہار
کی بھرمار۔ بس ایک شاگرد اور ایک استاد، شاگرد بھی محمود اور استاد بھی محمود، دو نفر سے یہ لاکھوں کے ایمانوں
کی حفاظت کی اسکیم معرض وجود میں آگئی۔ سادگی اور خدمت ایمان کا دور دورہ شروع ہو گیا جو سنت نبوی ﷺ اور
اتباع سلف کی روح ہے، مقصد نہ طرز تھا اور نہ تنعم، نہ تعیش، نہ تزئین، نہ تفاخر نہ تکاثر بلکہ صرف "ما انا علیہ الیوم
واصحابی" کا مرقع بنانا اور "علیکم بسنتی" اور "واتبع سبیل من اناب الی" کی سیدھی راہ کی عملی تصویر کھینچی تھی۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند و اسناد: دارالعلوم کا سلسلۂ سند حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ
العزیز سے گذرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ شاہ صاحب اس جماعت دیوبند کے مورث اعلیٰ ہیں
جن کے مکتب فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی۔ حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ
مزاج کو اچھی طرح پرکھا، پھر علوم شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل و نقل طرز میں پیش فرمایا جس میں نقل کو عقل کے جامہ
میں ملبوس کرکے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ انداز پنہاں تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند نے ولی اللہی سلسلے کے علماء
سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا جو انہیں ولی اللہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا، بلکہ مزید تنور کے ساتھ اس کے نقش و نگار
میں اور رنگ بھرا۔ اور وہی منقولات جو حکمت ولی اللہی کے معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے حکمت قاسمیہ میں

محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہو گئے۔ پھر آپ کے سہل ممتنع انداز بیان نے دین کی انتہائی گہری حقیقتوں کو جو بلاشبہ علم لدنی کے خزانے سے ان پر بالہام غیب منکشف ہوئیں۔ استدلالی اور لمیاتی رنگ میں آج کی خوگر محسوس یا حس پرست دنیا کے سامنے پیش کر دیا اور ساتھ ہی اس خاص مکتب فکر کو جو ایک خاص طبقہ کا سرمایہ اور خاص حلقہ تک محدود تھا دارالعلوم دیوبند جیسے ہمہ گیر ادارہ کے ذریعہ ساری اسلامی دنیا میں پھیلا دیا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ولی اللہی مکتب فکر کے تحت دیوبندیت درحقیقت "قاسمیت" یا قاسمی طرز فکر کا نام ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے وصال کے بعد اس دارالعلوم کے سرپرست ثانی قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع فقہیہ اور جزئیاتی تفریعات کا قوام بھی پیدا ہوا اور اس طرح فقہ اور فقہا کا سرمایہ بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔

ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد دارالعلوم کے اولین صدر مدرس جامع العلوم اور شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے جو حضرت بانی دارالعلوم سے سلسلۂ تلمذ بھی رکھتے تھے دارالعلوم کی تعلیمات میں [illegible] اور والہانہ اور جذب و باطنیت کا رنگ بھرا جس سے یہ صہبائے دو آتشہ سہ آتشہ ہو گئی۔

آپ کے وصال کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ثالث حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند جو حضرت بانی دارالعلوم قدس سرہ کے تلمیذ خاص بلکہ علم و عمل میں نمونۂ خاص تھے۔ ان تمام علوم کے جامع ہوئے۔ اور انہوں نے چالیس سال دارالعلوم کی صدارت تدریس کی راہ سے علوم و فنون کو تمام منطقہ ہائے اسلامی میں پھیلایا اور پھر ان تشنگان علوم ان کے دریائے علم سے سیراب ہو کر اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اس لحاظ سے یوں سمجھنا چاہئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ جماعت دارالعلوم کے جد امجد ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ جد قریب۔ حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہما [illegible] اور حضرت شیخ الہند بمنزلہ پدر بزرگوار ہیں۔ حضرت شیخ الہند نے اس عالمگیر علمی فیضان کے ساتھ ہندوستان کی آزادی اسلامی دنیا کی آزادی اور دنیا بھر کے غلاموں کی آزادی کے لئے عظیم قائد کی حیثیت سے کام ہی نہیں کارنامے انجام دئے ہیں جن کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے۔

دارالعلوم کا مسلک: علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت مسلکاً اہل السنت والجماعت ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع و قیاس پر قائم ہے۔ اس کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل و روایت اور آثار سلف کو حاصل ہے جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے یہاں کتاب و سنت کی مرادات، اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اساتذہ و شیوخ کی صحبت

وملازمت اور تعلیم و تربیت ہی سے متعین ہو سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ عقل و روایت اور تفقہ فی الدین بھی ان کے نزدیک فہم کتاب و سنت کا ایک بڑا جزو ہے وہ روایات کے مجموعہ سے حنفی فقہ کی روشنی میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض و غایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں۔ اس لئے جمع بین الروایات اور تعارف، کے تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے جس کا منشا یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا۔ جب تک کہ وہ قابل استدلال ہو۔ اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض اور اختلاف نہیں محسوس ہوتا۔ بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی، عملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک، جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال و قال سے بیزار و بری ہے تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے۔ اس لئے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے نوازا۔ عبدیت و تواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزین کیا۔ اور اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار و استغنا (علمی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے وہیں فروتنی، خاکساری اور ایثار و زہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور رہے۔ نہ رعونت اور کبر و نخوت کا شکار ہوتے اور نہ ذلت نفس اور مسکنت میں گرفتار، وہ جہاں علم و اخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے۔ وہیں عجز و نیاز، تواضع و فروتنی اور خاکساری کے جوہروں سے مزین ہو کر عوام میں ملے جلے اور کاحد من الناس بھی رہے۔ جہاں مجاہدہ و مراقبہ سے خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے۔ غرض علم اخلاق، خلوت و جلوت اور مجاہدہ و جہاد کے مخلوط جذبات و دواعی سے ہر دائرۂ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی۔ جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے۔ اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنی محدث سے بیزار ہو جانے یا نسبت احسانی کے حامل ہونے کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی حذاقت کے معنی تصوف بیزاری کے نہیں۔ بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر، مفتی متکلم، صوفی اور حکیم و مربی ثابت ہوا۔ جس میں زہد و قناعت کے ساتھ عدم تقشف، حیا و انکسار کے ساتھ عدم مداہنت، رأفت و رحمت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت در انجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہو گئے۔ اور ہر علم و فن اور تمام ارباب علوم و فنون کے بارے میں اعتدال پسندی اور حقوق شناسی نیز ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہو گئے۔ بنا بریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل و کمال اور متخصصین فی العلم خواہ وہ محدثین ہوں یا فقہاء، صوفیاء ہوں یا امراء، متکلمین ہوں یا اصولیین،

امرائے اسلام ہوں یا خلفاء اس کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں۔ اس لئے جذباتی رنگ سے کسی طبقہ کو بڑھانا اور کسی کو گھٹانا یا مدح وذم میں حدود شرعیہ سے بے پرواہ ہوجانا اس کا مسلک نہیں۔

خدمات

سائبیریا سے لے کر سماٹرا تک

اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے (شمال میں) سائبیریا سے لے کر (جنوب میں) سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلادی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔ دوسری طرف سیاسی خدمات سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلوتہی نہیں کی۔ حتیٰ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔ جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ بالخصوص تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو مریدان خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور منتسبین اور متوسلین کی مساعی انقلاب، جہادی اقدامات اور حریت واستقلال ملی کی فدایانہ جدوجہد گرفتاریوں کے وارنٹ پران کی قید وبند وغیرہ وہ سب تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جاسکتی ہیں نہ بھلائی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ ان حالات پر محض اس لئے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کئے گئے۔ تو اس سے خود انہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی النسب کی ہوں یا غیر دیوبندی کی جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو۔ لایعبأ بہ اور قطعاً ناقابل التفات ہیں۔ اگر حسن ظن سے کام لیا جائے۔ تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہہ صرف یہ کی جاسکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک خوف واحتیاط کا مظاہرہ ہے ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وہ قابل التفات ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا۔ اور ان ہی متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلاف رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی خدمات کے سلسلے میں آگے آتے رہے خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا استخلاص وطن اور ہر وقت انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔ مختصر یہ کہ علم واخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا۔ اور وسعت نظری روشن ضمیری اور رواداری کے ساتھ دین وملت اور قوم ووطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم کو حاصل رہی ہے جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے اور اسی پہلو کو اس میں نمایاں رکھا اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم ومعرفت، جامع عقل وعشق، جامع عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامع دیانت وسیاست، جامع روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامع عبادت ومدنیت، جامع حکم وحکمت ہے۔

محنت کی عظمت کا نشان
افتخارِ پاکستان

پاکستان کی اقتصادی خوشحالی کا انحصار ایسے اداروں پر ہے
جو خود کفیل ہوں، روزگار مہیا کرنے والوں یا قومی خزانے پر بوجھ نہ ہوں
اور اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے پورے کرتے ہوں۔
پی آئی اے یقیناً ایسا ہی ایک ادارہ ہے۔
بین الاقوامی سطح پر کامیابی کی بدولت آج ہم اس قابل ہیں
کہ اپنا منافع قومی ترقی کے لئے وقف کر دیں اور ہمارا دائرہ پرواز
ملک کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل جائے۔ آج ہمارا
شمار ان گنی چنی فضائی کمپنیوں میں ہوتا ہے جو اپنی اندرونِ
ملک پروازوں کے لئے بھی جیٹ طیارے
استعمال کر رہی ہیں۔
علاوہ ازیں ہم اپنے ہم وطنوں کو ملازمت کے بہترین
مواقع بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ قومی زندگی کے مختلف
شعبوں تجارت، سیاحت، ثقافت اور کھیل میں
اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ ہماری کاوشیں ملک کے لئے
نیک نامی کا باعث ہیں بلکہ ہم کثیر زرمبادلہ کے حصول میں
نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم نہ صرف دیگر فضائی کمپنیوں
کو انتظامی، تکنیکی اور فنی سہولتیں مہیا کر رہے ہیں
بلکہ پی آئی اے کے بین الاقوامی ہوٹلوں کے قیام کے لئے
سرمایہ کاری بھی کرتے ہیں۔
بین الاقوامی منڈی میں ہماری ساکھ اس قدر مستحکم
ہو چکی ہے کہ ہم نے اپنے ہی وسائل سے بوئنگ ۷۴۷
جیسے دیوہیکل طیارے خریدے ہیں۔ غرض ہماری
انتھک جدوجہد، پیشہ ورانہ مہارت اور اعلیٰ
کارکردگی پاکستان کا بول بالا کر رہی ہے۔
یہ کامیابیاں آپ کی نیک تمناؤں اور
تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ بالفاظ دیگر
پی آئی اے کی کامرانی، پاکستانی عوام کی کامرانی ہے۔

PIA پی آئی اے
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ - لاجواب پرواز

علماء دیوبند اور میدان صحافت

دیوبندی علماء اور اہل علم کے رسائل، اخبارات و مجلات

دارالعلوم دیوبند کے فضلا کرام اور اس سرچشمۂ علم و فکر سے سیراب ہونے والے دیگر اہل علم و ارباب قلم کے ہمہ گیر علمی، دینی، تبلیغی، تحریری، تقریری، سماجی، سیاسی، اصلاحی اور معاشرتی خدمات کا دائرہ اتنا جامع اور وسیع ہے کہ اس کے اجمالی جائزہ کیلئے بھی دفتر درکار ہے۔ چودھویں صدی ہجری یعنی پورے ایک قرن پر پھیلے ہوئے ان عظیم کارناموں اور خدمات نے تعلیم تبلیغ دعوت و اصلاح معاشرہ تصنیف و تالیف جہاد و عزیمت، سیاست و معاشرت، خطابت و موعظت کے ہر میدان میں اور ہر محاذ پر نہایت گہرے اور دور رس اثرات ڈالے، زندگی کے ہر شعبہ کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ دین اور اہل کے ہر محاذ کی قیادت کی۔ اور مغربی دیو استبداد کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ملت مسلمہ کو نجات و حیات نو بخشی۔ آج کی فرصت میں ہم صرف پریس اور صحافت کے میدان میں علماء دیوبند کی خدمات کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے ایسے اخبارات و رسائل (روزناموں، ہفت روزوں، پندرہ روزوں اور ماہناموں) کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جنہیں علماء دیوبند نے جاری کیا اور اسکی ادارت و اشاعت میں وہ بنیادی طور پر شریک رہے۔ یہ فہرست سرسری یادداشت سے، بہت مختصر سے وقت میں مرتب کی گئی ہے۔ مکمل تحقیق و تلاش اور معلومات کی فراہمی کے بعد اسکی تعداد بلا مبالغہ تین چار سو کے لگ بھگ ہو سکتی ہے۔ پھر یہ تعداد صرف پاکستان اور بھارت سے نکلنے والے جرائد کی ہے۔ اور وہ بھی دو چار پرچوں کو چھوڑ کر صرف اردو اخبارات و رسائل کی۔ بنگلہ دیش افغانستان، برما، افریقی ممالک یورپ اور دنیا کے دیگر خطوں سے شائع ہونے والے عربی انگریزی اور دیگر علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات و جرائد کو فی الوقت تعرض نہیں کیا گیا۔ اس میں کچھ پرچے تو حالات اور حوادث کے ساتھ اپنا فرض ادا کر کے ختم ہو گئے۔ مگر اکثر جرائد اب بھی ملک و ملت اور علم و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں، اردو ادب اور تحریر و ثقافت کو علماء دیوبند نے کیا کچھ دیا۔؟ یہ اس کا ایک مختصر اور نامکمل جواب ہے۔ پھر علمی ادبی دینی سیاسی معاشی اخلاقی معاشرتی دنیا کو تصانیف اور کتابوں کی شکل میں علماء دیوبند نے جو کچھ دیا اسکی تعداد ایک محتاط تخمینے کے مطابق ایک لاکھ کتب و تصانیف سے زائد ہے۔ علماء دیوبند کی تصانیف کی فہرست اور مختصر تعارف کے لئے ایک ضخیم انسائیکلو پیڈیا کی ضرورت

سے بہتر کوئی شخص یہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(سمیع الحق)

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۱	القاسم	ماہنامہ	دارالعلوم دیوبند	علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، قاری محمد طیب قاسمی، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ
۲	الرشید	″	دیوبند۔ سرپرست شیخ الہندؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ، حافظ محمد احمد صاحبؒ	″ ″ ″ ″
۳	دارالعلوم	سہ ماہی	دارالعلوم دیوبند	قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
۴	دارالعلوم	ماہنامہ	″	مدیر مولانا سید ازہر شاہ قیصر۔ مرتبین دور اول مولانا عبدالوحید غازی پوری۔ قاضی خلیق احمد۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی
۵	اشاعت حق	اخبار	دیوبند	مدیر سید نسیم اختر شاہ قیصر
۶	تذکرہ	ماہنامہ	″	مدیر مولانا نجم الدین اصلاحی و شمیم قدوائی۔ سرپرست مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ۔
۷	قاسم العلوم	″	دارالعلوم دیوبند	بیادگار حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتویؒ مرتب مولانا عتیق احمد صدیقی
۸	المحمود	″	دیوبند	بیادگار حضرۃ شیخ الہندؒ
۹	الخلیل	″	″	بیادگار مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
۱۰	مباحثہ	پندرہ روزہ	″	مدیر مولانا محمد سالم قاسمی فاضل دیوبند
۱۱	الانور	ہفت روزہ	″	مدیر سید ازہر شاہ قیصر بیادگار مولانا انور شاہ کشمیریؒ
۱۲	تجلی	ماہنامہ	″	مدیر مولانا عامر عثمانی و مولانا زبیر عثمانی فاضلین دیوبند
۱۳	استقلال	پندرہ روزہ	″	مدیر مولانا سلطان الحق صاحب فاضل دیوبند
۱۴	النور	ماہنامہ	آغاز ۱۳۳۹ھ تھانہ بھون	سرپرست حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ادارت: مولانا شبیر علی تھانوی۔
۱۵	المبلغ	ماہنامہ	آغاز ۱۳۴۹ھ تھانہ بھون	موضوع مضامین حکیم الامتؒ

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۶	الامداد	ماہنامہ	آغاز ۱۳۳۰ھ تھانہ بھون	موضوع مضامین حکیم الامت
۱۷	اشرف العلوم	״	آغاز ۱۳۳۶ھ سہارنپور	مدیر مولانا ظہور الحسن کسولوی موضوع افادات حکیم الامت
۱۸	الابقاء	״	دہلی مدرسہ کلاں آغاز ۱۳۴۰ھ	ناشر محمد عثمان خان موضوع مواعظ حکیم الامت
۱۹	الابقاء	״	[illegible]	ناشر مولانا عبد المنان ״ ״
۲۰	الہادی	״	مدرسہ کلاں دہلی آغاز ۱۳۴۴ھ	״ ״ ״ ״ ״
۲۱	الاشرف	״	نور ایک ڈپو لکھنؤ آغاز ۱۳۵۵ھ	مدیر مولانا محمد یحییٰ موضوع مواعظ حکیم الامت
۲۲	المفتی	״	دیوبند	مدیر مفتی محمد شفیع موضوع فتاویٰ دیوبند وتھانہ بھون
۲۳	البرہان	״	شاہجہانپور	مدیر وموسس مفتی کفایت اللہ صاحب (تردید قادیانیت)
۲۴	النجم	״	لکھنؤ	مولانا عبد الشکور لکھنوی
۲۵	قائد	״	مراد آباد (ترجمان انصار الاسلام)	مولانا محمد میاں فاضل دیوبند مصنف شاندار ماضی وغیرہ معاون مدیر مولانا اختر الاسلام فاضل دیوبند ابن مولانا فخر الدین مراد آبادی
۲۶	الفرقان	״	بریلی لکھنؤ	مدیر وموسس مولانا محمد منظور نعمانی و مولانا عتیق الرحمن سنبھلی۔
۲۷	برہان	״	ندوۃ المصنفین دہلی	مدیر وسرپرست مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی سعید احمد اکبر آبادی
۲۸	پیام ملت	پندرہ روزہ	کانپور	مدیر ظہیر الاسلام اظہر مولانا فرید احمد لکھنوی۔
۲۹	امارت	״	پھلواری شریف بہار ناشر امارت شرعیہ	مدیر تا ۱۳۵۲ھ مولانا عثمان غنی فاضل دیوبند متوفی ۱۹۷۷ء رکن مجلس عاملہ جمعیۃ العلماء بہار۔
۳۰	نقیب	ہفت روزہ	پٹنہ بہار۔ امارت شرعیہ بہار	مدیر مولانا عثمان غنی۔ شاہد رام نگری۔ اصغر امام فلسفی۔
۳۱	الحرم	ماہنامہ	میرٹھ	مدیر قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی فاضل دیوبند
۳۲	منشور			مدیر مولانا حبیب الرحمن بجنوری فاضل دیوبند
۳۳	مدینہ	ہفت روزہ	بجنور	مولانا حامد الانصاری غازی و اصلح الحسینی۔ فاضلین دیوبند
۳۴	الجمعیۃ	روزنامہ	دہلی	مدیر مولانا محمد عثمان فارقلیط مولانا عزیز احمد قاسمی فاضل دیوبند۔ سرپرست مولانا اسعد مدنی۔ (مولانا مودودی نے بھی اپنی قلمی زندگی کا آغاز دیوبندی مکتب فکر کے اس قدیم اور وقیع روزنامہ سے کیا)
۳۵	الجمعیۃ	ہفت روزہ	دہلی	مدیر مولانا وحید الدین خان

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۳۶	عصر جدید		کلکتہ	مدیر مولانا شائق عثمانی فاضل دیوبند
۳۷	الامان	روز نامہ	دہلی	مدیر و بانی مولانا مظہر الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند
۳۸	نئی دنیا	ماہنامہ	دہلی	مولانا عبدالوحید صدیقی فاضل دیوبند و عبدالوحید غازیپوری وغیرہ
۳۹	ادبی دنیا	〃	لاہور	مدیر و مؤسس علامہ احسان اللہ تاجور نجیب آبادی فاضل دیوبند (آپ نے دیگر درجنوں رسائل کی بھی ادارت کی علم و صحافت کی یہ شہرۂ آفاق شخصیت بھی آسمانِ دیوبند کا ایک روشن ستارہ تھا قاضی زین العابدین فاضل دیوبند بھی اس سے وابستہ رہے۔)
۴۰	اہل حدیث		امرتسر	مدیر و مؤسس مولانا ثناء اللہ امرتسری فاضل دیوبند
۴۱	انوار اسلام	ماہنامہ	رام نگر بنارس	
۴۲	دار التعلیم و پیام ملت		کانپور جاجمئو	نگران الحاج منت اللہ صاحب۔ مدیر عبدالحفیظ رحمانی و ظہیر احمد
۴۳	جمہوریت		بمبئی	مولانا حامد الانصاری غازی فاضل دیوبند
۴۴	تحقیقات علمیہ	ماہنامہ	دار العلوم سہارنپور	مدیر مولانا اسرار الحق مظاہری۔
۴۵	البدر	〃	دار العلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ	مدیر مولانا عبدالعلی فاروقی فاضل دیوبند
۴۶	مجلۃ	〃	مونگیر بھارت	مدیر مولانا ولی الرحمٰن افتتاح قاری محمد طیب قاسمی۔
۴۷	صغیر		مدرسہ باقیات الصالحات ویلور	
۴۸	البلاغ	〃	بمبئی	قاضی اطہر مبارک پوری فاضل دیوبند
۴۹	ندائے فرقان	ماہنامہ سہ ماہی	بنگلور	مدیر مولانا شہاب الدین بانادر
۵۰	شاعر	〃	بمبئی	مدیر اعجاز صدیقی متوفی ۷۸ء ۱۹ فرزند و تلمیذ مولانا سیماب اکبر آبادی فاضل دیوبند
۵۱	قاسمی میگزین	〃	مجلس قاسمیہ دار العلوم دیوبند	ناشر طلبۂ دار العلوم بیادگار حضرت قاسم العلومؒ
۵۲	خالد	〃		مولانا محمد میاں مرحوم
۵۳	نقش	〃	دیوبند	مولانا سید انظر شاہ کشمیری
۵۴	القاسم	〃	دیوبند	مولانا وحید الزمان صاحب
۵۵	مہاجر		دار العلوم دیوبند	
۵۶	سیاست			مولانا اسحاق علی صاحب فاضل دیوبند

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۵۷	مرکز			مولانا عبداللہ جاوید فاضل دیوبند
۵۸	نوید دکن	ماہنامہ	حیدرآباد دکن	مولانا رضوان القاسمی دربھنگوی۔ فاضل دیوبند
۵۷	تعمیر سیرت	〃		مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔ فاضل دیوبند
۶۰	انصاری	روزنامہ	دہلی	سرپرست مولانا احمد سعید دہلوی مدیر مجلہ بلال احمد زبیر
۵۶	الانصار	ہفت روزہ	دارالعلوم دیوبند	اکابر دارالعلوم دیوبند۔
۵۷	التبلیغ	ماہنامہ	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	مولانا شبیر علی تھانوی۔ آغاز شوال ۱۳۴۵ھ
۵۸	المظاہر	〃	مظاہر العلوم سہارنپور آغاز ۱۳۴۳ھ	مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی جمیل احمد تھانوی۔
۵۹	الرشاد	〃	〃	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مولانا شمس الحق مظاہری۔
۶۰	مولوی	〃	دہلی	مولانا عبدالحمید خان (دیوبندی مضامین و افکار کا ترجمان)
۶۱	مسلم	روزنامہ	〃	سرپرست مولانا احمد سعید دہلوی و مفتی کفایت اللہ ترجمان جمعیۃ العلماء ہند۔ آغاز ۱۹۲۱ء
۶۲	ندائے سنت	پندرہ روزہ	دارالمبلغین لکھنؤ	مولانا عبدالقدوس قاسمی۔ فاضل دیوبند
۶۳	انوار العلوم	ماہنامہ	جامعہ اشرفیہ لاہور	مفتی محمد حسن امرتسری۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی فاضل دیوبند
۶۴	مستقبل	〃	رابسن روڈ کراچی	سرپرست علامہ شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند مولانا سلیمان ندوی
۶۵	الارشاد	〃	امرتسر و لاہور	مولانا بہار الحق قاسمی فاضل دیوبند (فتنۂ خاکسار و مشرقی کی تردید)
۶۶	دعوۃ الحق	〃	دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار سندھ	مولانا احتشام الحق تھانوی فاضل دیوبند مولانا ظفر احمد عثمانی
۶۷	ضیاء العلوم	〃	فیض باغ لاہور	مولانا مطیع الحق قاسمی دیوبندیؒ۔ فاضل دیوبند
۶۸	مخزن العلوم	〃	خانپور	مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ
۶۹	الصدیق	〃	ملتان	مولانا عبداللہ فاضل دیوبند
۷۰	صداقت	ہفت روزہ	پشاور	مولانا سید گل بادشاہؒ۔ فاضل دیوبند
۷۱	مستقبل	ماہنامہ	ملتان	مدیر مولانا ابوذر عطاء المنعم بخاری ابن امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری
۷۲	نوائے پاکستان	روزنامہ سہ روزہ	لاہور	مولانا مجاہد الحسینی وغیرہ
۷۳	خدام الدین	ہفت روزہ	شیرانوالہ گیٹ لاہور	بانی شیخ التفسیر مولانا لاہوری مدیر سعید الرحمٰن علوی۔ سرپرست مولانا عبیداللہ انور مدظلہ۔

نمبر شمار	نام رسالہ واخبار		مقام اشاعت	ادارت و نگرانی
۷۴	دعوت	سہ روزہ	لاہور	ترجمان تنظیم اہل سنت۔ علامہ دوست محمد قریشی، فرید احمد انصاری و ارشد رشیدی۔ مولانا نورالحسن شاہ بخاری۔ مولانا خالد محمود وغیرہ
۷۵	ترجمان اسلام	ہفت روزہ	لاہور	بانی مولانا غلام غوث ہزاروی فاضل دیوبند سرپرست مولانا مفتی محمود مدظلہ۔ موجودہ مدیر اکرام القادری صاحب۔
۷۶	بینات	ماہنامہ	کراچی	مؤسس علامہ محمد یوسف بنوری۔ فاضل دیوبند۔
۷۷	البلاغ	〃	دارالعلوم کراچی	سرپرست مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم مدیر مولانا محمد تقی عثمانی۔
۷۸	الحق	〃	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور	سرپرست شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ فاضل دیوبند۔ بانی و مدیر سمیع الحق مدرس دارالعلوم حقانیہ۔ آغاز اکتوبر ۱۹۶۵ء۔
۷۹	الرشید	〃	جامعہ رشیدیہ ساہیوال	مدیر مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند و عبدالرشید ارشد
۸۰	الارشاد	〃	کیمبل پور	بانی مولانا قاضی زاہد الحسینی فاضل دیوبند مدیر عثمان غنی بی۔ اے وغیرہ
۸۱	ارشاد	〃	سیالکوٹ	مدیر و بانی مولانا محمد علی صدیقی فاضل دیوبند
۸۲	منبر الاسلام	〃	کھڈہ کراچی	مدیر حافظ محمد اسماعیل ابن مولانا محمد صادق مرحوم فاضل دیوبند
۸۳	تعلیم القرآن	〃	راولپنڈی	بانی مولانا غلام اللہ خان فاضل دیوبند مدیر سجاد بخاری وغیرہ
۸۴	پیام اسلام	〃	لاہور	مدیر طالب حق
۸۵	صدائے اسلام	〃	جامعہ اشرفیہ پشاور	مدیر مولانا محمد یوسف قریشی و مولانا اشرف علی قریشی
۸۶	انوار مدینہ	〃	جامعہ مدنیہ لاہور	بانی مولانا حامد میاں فاضل دیوبند ابن مولانا محمد میاں دیوبندی
۸۷	صوت الاسلام	ہفت روزہ	لاہور	مدیر مولانا اشرف علی بخاری و حکیم محمود احمد ظفر وغیرہ
۸۸	شمس الاسلام	ماہنامہ	بھیرہ	مدیر مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل فاضل دیوبند
۸۹	الجمعیۃ	ہفت روزہ	راولپنڈی	بانی مولانا غلام غوث ہزاروی فاضل دیوبند مدیر مولانا عزیز الرحمن فاضل حقانیہ۔
۹۰	المحمود	〃	ڈیرہ اسماعیل خان	بیادگار مولانا محمود الحسن شیخ الہند نگران مولانا قاضی عبدالکریم و قاضی عبداللطیف کلاچی فاضل دیوبند
۹۱	مجلہ	ماہنامہ	ملتان	منشی عبدالرحمن خان ناشر و مرتب مواعظ حضرۃ تھانویؒ
۹۲	ترجمان حق	ہفت روزہ	بنوں	مدیر قاری حضرۃ گل صاحب۔

نمبر شمار	نام رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۹۳	تبصرہ	ماہنامہ	لاہور	مرزا غلام نبی جانبازہ۔
۹۴	عزم	"	"	جمعیۃ طلباء اسلام کا آرگن۔
۹۵	عزم نو	"	"	مدیر میاں محمد عارف صدر جمعیۃ الطلباء اسلام۔
۹۶	افکار طلبہ	مجلہ	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک	مدیر مولانا نصیب علی شاہ بخاری جمعیۃ الطلبہ اسلام کا ترجمان۔
۹۷	وفاق	پندرہ روزہ	کراچی	مدیر شجاعت علی صدیقی دیوبندی مضامین وعلوم کا ترجمان
۹۸	پاکستانی	ہفت روزہ	لائلپور	
۹۹	الرحیم	ماہنامہ	حیدرآباد شاہ ولی اللہ اکیڈمی	مدیر محمد سرور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، مولانا عبید اللہ سندھی کے تلامذہ اور فکر شاہ ولی اللہ کی ترجمانی پرچے کا مقصد۔
۱۰۰	الولی	"	"	مدیر مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی تلمیذ مولانا سندھی۔
۱۰۱	آزاد	روزنامہ	لاہور	دیوبند کے احراری اکابر کا ترجمان مدیر مولانا مجاہد الحسینی وغیرہ
۱۰۲	زمزم	"	"	دیوبند کے احراری مکتب فکر کا ترجمان مدیر فارقلیط۔
۱۰۳	المرشد	ماہنامہ	چکوال	مولانا حافظ اللہ یار خان مدیر مولانا عبدالرزاق صاحب۔
۱۰۴	الجامعہ	"	اکوڑہ خٹک	مولانا سید بادشاہ گل صاحب فاضل دیوبندؒ
۱۰۵	وگمہ (پشتو)	"	"	ماسٹر عبدالرزاق سنگین دارالعلوم حقانیہ
۱۰۶	مدینہ (بنگلہ)	"	ڈھاکہ	مولانا محی الدین خان
۱۰۷	تذکرہ	"	لاہور	علمی اور طبی صحیفہ
۱۰۸	سوغات بلوچی	"	کراچی	مدیر مولانا خیر محمد بلوچ معاون محمد بیگ بلوچ
۱۰۹	البلاغ	ہفت روزہ	پشاور	بانی مولانا عماد الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند۔ مدیر مولانا سعید الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند۔
۱۱۰	الاسلام پشتو	ماہنامہ		مولانا حکیم فضل حق فاضل دیوبند
۱۱۱	نوائے ملت	ہفت روزہ	مردان	مولانا مدرار اللہ مدرار
۱۱۲	قیادت	"	"	مولانا محمد شعیب فاضل امینیہ دہلی
۱۱۳	مقام رسالت	ماہنامہ	کراچی	مولانا محمد مسلم شمسی
۱۱۴	تذکرہ	"	"	دیوبندی علماء واکابر

نمبر شمار	رسالہ یا اخبار		مقام اشاعت	ادارت ونگرانی
۱۱۵	لولاک	ہفت روزہ	لائلپور	ترجمان مجلس تحفظ ختم نبوت ۔ مولانا تاج محمود صاحب
۱۱۶	صوت الاسلام	"	لاہور	ترجمان جمعیۃ العلماء اسلام تھانوی گروپ ۔ محمود احمد ظفر وغیرہ
۱۱۷	فروغِ اسلام	ماہنامہ	"	مولانا زاہد انصاری
۱۱۸	تمدن	ہفت روزہ	ڈیرہ اسماعیل خان	مولانا عبد الجلیل زکوڑی شریف فاضلِ دیوبند
			عربی پرچے	
۱۱۹	یقین انٹرنیشنل	پندرہ روزہ	دار التصنیف لیمیٹڈ کراچی	بانی مولانا محمد طفیل صاحب ۔
۱۲۰	دعوت الحق	سہ ماہی	دار العلوم دیوبند	مدیر وحید الزمان کیرانوی فاضل دیوبند
۱۲۱	الداعی	پندرہ روزہ	"	مدیر مولانا بدر الحسن قاسمی " "
۱۲۲	الصدیق	ماہنامہ	ملتان	مدیر مفتی عبد اللہ صاحب ۔
۱۲۳	الکفاح	پندرہ روزہ	جمعیۃ العلماء ہند دہلی	نگران مولانا محمد اسعد مدنی ۔ فاضلِ دیوبند
			انگریزی پرچے	
۱۲۴	یقین انٹرنیشنل	پندرہ روزہ	دار التصنیف لیمیٹڈ کراچی	بانی مولانا محمد طفیل صاحب ایڈیٹر خلیق احمد لاہوری از مسترشدین مولانا احمد علی لاہوری ۔
۱۲۵	اسلام	"	انجمن خدام الدین لاہور ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء	سرپرست مولانا احمد علی لاہوری مدیر خواجہ عبد الوحید تلمیذ مولانا عبید اللہ سندھی و مولانا احمد علی لاہوری ۔
۱۲۶	جمعیۃ ٹائمز	اخبار	ترجمان جمعیۃ علماء ہند دہلی	

ماخذ - استاذ عبدالرزاق نوفل
تحریر: حسن احمد عابدین
عربی سے ترجمہ - مولانا عبدالرؤف رحمانی

قرآن کریم کا ایک زندہ اعجاز
اعداد و شمار کی روشنی میں ایک تازہ ت[illegible]یق

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے مجلہ بابت ذی قعدہ ۹ھ میں حسن احمد عابدین صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے قرآن کریم کے ایک خاص قسم کے اعجاز کو اعداد و شمار کے آئینہ میں ظاہر کیا ہے!

تمہید میں انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں یہ اعلان ببانگ دہل موجود ہے کہ اگر انسان اور جن تمام کے تمام جمع ہو جائیں اور یہ چاہیں کہ قرآن کے مانند کوئی کلام بنا لاویں تو اس کا مانند نہیں لا سکتے - اگرچہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کتنا ہی کوشش کریں۔ (سورہ اسرائیل)

ایک جگہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے اگر تم کو اس میں شک ہو کہ جو کچھ ہم نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے وہ کسی انسان بنایا ہوا ہے تو تم قرآن کی ایک سورت ہی اس کے مانند بنا لاؤ - اور جس قدر تم کو مددگار مل سکتے ہوں سب کو ہمراہ لے کر اس کے مانند ایک سورت بناؤ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر پیش کرو۔

یہ چیلنج ان اہل عرب سے تھا جو لغت قرآن اور لغت عربیہ کے خوب ماہر تھے - لیکن ان سے اس کا مقابلہ بالکل نہیں ہو سکا اس طرح یہ چیلنج قیامت تک کے لئے قائم ہے۔

آج اعداد و شمار کی روشنی میں جو اعجاز پیش کیا جا رہا ہے وہ دراصل ایک بڑے اسلامی مفکر استاذ عبدالرزاق نوفل کے "تدبر فی القرآن" کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت قرآن پر تمام مسلمانوں کے شکریہ کے ساتھ اجر جزیل عطا کرے۔ اس عددی اعجاز کے ظاہر ہونے پر معلوم ہوا کہ :-

قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ کا کلام ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کریم میں کبھی کسی دور میں تغیر و تبدل نہیں واقع ہوا ہے اس کے نزول کے وقت سے لے کر آج تک کوئی تحریف اس میں داخل نہیں ہوسکی ہے۔ ورنہ یہ عددی اعجاز باقی نہ رہتا۔

۳۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ قرآن کریم قیامت تک کے لئے ایک مستقل معجزہ ہے۔

عددی اعجاز کا پہلا نمونہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لئے لفظ قل کا استعمال ۳۳۲ مرتبہ کیا ہے جیسے ارشاد فرماتا ہے قل ان الامر کلہ للہ۔ (سورہ آل عمران)

یہ قل کی ایک مثال ہوئی۔ تو اللہ کی مخلوقات نے بھی ملائکہ، جن اور بشر نے لفظ قول ۳۳۲ مرتبہ استعمال کیا ہے ایک بار نہ کم نہ زیادہ۔

زبان ملائکہ سے قول کے صادر ہونے کی ایک مثال قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء (سورۃ بقرہ)

اور انسان کی زبان سے صادر ہونے کی مثال (دنیوی زندگی میں) قالوا ربنا افرغ علینا صبراً وثبت اقدامنا (سورۃ بقرہ)

اور انسان ہی کی زبان سے (عالم آخرت میں) وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ (سورۃ اعراف)

اور جن کی زبان سے قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآناً عجباً (سورہ جن)

الغرض جس طرح اللہ تعالیٰ نے لفظ قل قرآن کریم میں ۳۳۲ دفعہ استعمال کیا ہے اسی طرح اس کی مخلوقات ملائکہ جن و بشر نے بھی ۳۳۲ مرتبہ لفظ قول کا استعمال کیا ہے جس کی ایک ایک مثال پیش کر دی گئی ہے۔ یہ عجیب تناسب ایک اعجاز رکھتا ہے۔

<u>دوسرا نمونہ</u> قرآن کریم میں اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے کہ آسمان سات ہیں تو پھر پورے قرآن میں آپ دیکھیں گے سبع سماوات کا قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں سے صرف سات سورتوں میں ذکر آیا ہے۔

۱۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے فسوّاھنّ سبع سمٰوٰت

۲۔ سورہ مومنون میں فرمایا قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم

۳۔ سورہ فصلت میں فرمایا فقضٰھن سبع سمٰوٰت فی یومین۔

۴۔ سورہ طلاق میں فرمایا اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت

۵۔ سورہ اسراء میں فرمایا تسبح لہ السمٰوٰت السبع۔

۶۔ سورہ ملک میں فرمایا۔ الم ترکیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقا۔

۷۔ پاک ہے اللہ کی ذات جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اپنی کتاب عزیز میں سات مرتبہ اس کا تذکرہ فرمایا!

تیسرا نمونہ | رب العالمین نے فرمایا۔ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔ یعنی اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے (توبہ) تو پورے قرآن کریم میں لفظ شھر کا استعمال بارہ مرتبہ آیا ہے۔ اس طرح اس میں سال کے بارہ مہینوں کی طرف اشارہ بھی آ گیا۔ پس پاک ہے وہ ذات کریم جس نے مہینوں کا شمار بارہ بتلایا تو بارہ مرتبہ لفظ شھر کا تذکرہ فرمایا۔

چوتھا نمونہ | ایمان اور آمنوا کا ذکر قرآن کریم میں ۲۵ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ ایمان کا استعمال ۱۷ مرتبہ ہوا۔ اس کی ایک مثال بئس الاسم الفسوق بعد الایمان اور آٹھ مرتبہ ایمان اور آمنوا جمع ہو گیا ہے اس کی ایک مثال فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا (سورہ توبہ) الغرض ۲۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

تو اسی طرح لفظ کفر کا ۲۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے ۱۷ مرتبہ صرف لفظ کفر آیا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا: ولا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر (سورۃ آل عمران) اور ۸ مرتبہ قرآن کریم سے اس نص کے مطابق آیا ہے الاعراب اشد کفرا و نفاقا یعنی اس میں کفر کے ساتھ نفاق کا بھی ذکر ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے ایمان کا ۲۵ بار ذکر کیا تو ۲۵ بار کفر کا بھی ذکر کیا البتہ ایمان و کفر کے دیگر مشتقات کا فرق ہے اس میں بھی ایک دوسرے گوشہ سے ایک دوسرا اعجاز ہے۔

پانچواں نمونہ | لفظ ملائکہ (خیر کا نمائندہ) کا ذکر قرآن کریم میں ۸۸ مرتبہ ہوا ہے۔ تو لفظ شیطان (شر کا نمائندہ) کا ذکر بھی ۸۸ مرتبہ آیا ہے۔ اسی طرح لفظ دنیا کا ذکر ۱۱۵ مرتبہ آیا ہے۔ تو لفظ آخرت کا بھی ذکر ۱۱۵ مرتبہ آیا ہے۔ اسی طرح آدمی کی خلقت مٹی اور منی دونوں طریقوں سے ہوئی ہے تو لفظ نطفہ کا ذکر ۱۲ مرتبہ ہے اور لفظ طین (مٹی) کا ذکر بھی ۱۲ مرتبہ ہوا ہے۔

اسی طرح آدمی کے فعل یا عمل پر اجرت ملتی ہے تو لفظ فعل کا ذکر ۱۰۸ مرتبہ ہوا ہے تو لفظ اجر کا ذکر بھی ۱۰۸ مرتبہ ہوا ہے یعنی جتنی بار عمل و فعل کا ذکر ہے اسی کے بقدر اجر و ثواب کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح لفظ حساب کا ۲۹ مرتبہ ذکر ہے تو عدل و قسط کا ذکر بھی ۲۹ مرتبہ ہے یعنی یہ حساب پورے عدل و انصاف سے ہوگا۔

اسی طرح لفظ قرآن اور اس کے مشتقات کا ذکر بھی ۷۰ مرتبہ ہوا ہے۔ اور لفظ اسلام اور اس کے مشتقات کا ذکر بھی ۷۰ مرتبہ ہوا ہے۔

اسی طرح شدائد اور اس پر صبر کا ذکر بھی مساوی ہے یعنی شدت اور اس کے مشتقات کا ذکر ۱۰۲ مرتبہ ہے تو صبر اور اس کے مشتقات کا ذکر بھی ۱۰۲ مرتبہ ہے۔

<u>چھٹا نمونہ</u> | بعض چیزیں بعض کے دوچند مذکور ہیں :-

۱- مثلاً لفظ رحمان کا ذکر صرف ۵۷ مرتبہ ہے اور لفظ رحیم کا ذکر ۱۱۴ مرتبہ ہے جو اس کے دوچند ہے۔

۲- لفظ ابرار کا ذکر لفظ فجار کا ذکر ۳ مرتبہ ہے - ابرار کا ذکر ۶ مرتبہ ہے۔

۳- اسی طرح لفظ مغفرت کا ذکر لفظ جزا کے مقابلہ میں دوچند ہے لفظ جزا کا ذکر ۱۱۷ مرتبہ ہے اور لفظ مغفرت کا ذکر ۲۳۴ مرتبہ ہے - اصل بدلہ کے مقابلہ میں بخشش کو زیادہ عام اور زیادہ وسیع دکھایا گیا ہے۔

یہ اور اس طرح کی چند مثالیں جو بطور نمونہ استاذ کبیر عبدالرزاق نوفل نے اپنی کتاب قرآن کریم کے عددی اعجاز کے سلسلہ میں لکھی ہیں کہ حسابی تناسب اور عددی توازن جو مختلف نمونوں میں نظر آ چکی ہیں ان میں حقیقتوں کو واضح کرتی ہیں جن کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے۔

اول یہ کہ قرآن کریم کسی انسان کی تصنیف و تالیف نہیں ہو سکتی۔

دوسرے یہ کہ اس قرآن کریم میں کسی طرح کا تغیر و تبدل لاحق نہیں ہوا اور نہ کوئی تحریف اس میں واقع ہو سکی۔

تیسرے یہ کہ قرآن کریم ہمیشہ سے ایک مستقل معجزہ ہے چودہ صدیاں گذر گئیں لیکن کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا - اب قیامت تک بھی اس کا کوئی شخص مقابلہ و معارضہ نہیں کرے گا۔

پھر اس عددی اعجاز کے علاوہ نہ معلوم کتنے اسرار و نکات اس میں پوشیدہ ہیں کہ اب تک کسی مخلوق کی نگاہ نہیں پہنچ سکی - بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے تساوی و برابری ملحوظ رکھی اور بہت سے مقامات میں ایک کا دوسرے کے مقابلہ میں ~~دوچند~~ اور کہیں کہیں سہ چند ذکر کیا - اس میں کیا اسرار و رموز ہیں اور کیا مصالح و حکمتیں ہیں - ہماری نگاہ ابھی ان حقائق تک نہیں پہنچ سکی -

معاملہ صرف اسی عددی اعجاز پر منحصر نہیں ہے اور بھی کئی طرح سے قرآن کی حکمتیں ظاہر ہوتی رہیں گی - قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والے اور تدبر سے پڑھنے والے ہمیشہ اس کی حکمتوں کو ظاہر کرتے رہیں گے۔

اس طرح کا ایک عددی حساب اس سے پہلے کسی استاذ نے ظاہر کیا تھا جس میں ذکر تھا کہ تمام سورتوں کا شمار ایک خاص عدد سے کٹ جاتا ہے اور یہی ان سورتوں کے معجزہ ہونے کے لئے کافی ہے۔

کوئی سورت کئی کئی بار اس خاص عدد سے ضرب میں کٹ جاتی ہے اور کوئی کوئی سورت ایک دو بار مگر وہ ایک خاص عدد ہر سورت میں ملحوظ ہے - یہ عجیب نکتہ اور عجیب حکمت بہت تفصیل کے ساتھ عربی اخبارات کے علاوہ الجمعیۃ دہلی - دعوت دہلی عیدالفطر کے ایڈیشن میں یکم شوال ۱۳۹۹ھ کے شمارہ شائع ہو چکی ہے - وہ عدد ۱۹ کا ہے۔

اس عدد سے ساری سورتوں کے آیات کے نمبر کا ضرب نکل آتا ہے۔

قرآن کریم کی اس حکمت کا اظہار کرتے ہوئے فاضل محقق نے لکھا ہے کہ جا بجا قرآن کریم میں قوم لوط کا ذکر آیا ہے

باقی صـ۵۶ پر

Adarts

CAR-3/79

افادات: مولانا منصور انصاری غازی
اخذ و ترتیب: مولانا محمد طیب کشمیری

دین و سیاست
اہل اسلام کیلئے لمحہ فکریہ

بلاشبہ سابقہ آسمانی مذاہب اپنے اپنے زمانہ قدیم میں اس زمانہ کے لحاظ سے حکومت وسیاست، اور دیگر اجتماعی مسائل کے لئے موزوں ترین اور سب سے بہتر قوانین تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترقی یافتہ دور میں جس میں رشد و ہدایت، صلاحیت و استعداد اور سعادت انسانی اپنے کمال پہ پہنچنے کے لئے مچل رہی تھی۔ وہ تمام سابقہ قوانین منسوخ اور ممنوع العمل ہو گئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور رسالت میں دنیائے انسانیت علمی رشد و کمال کے عروج پہ پہنچ کر سیاست، تمدن کے جدید مسائل کو اپنے احاطہ تحقیق میں لے چکی اور اجتماعی مشکلات حل کرنے میں اپنی تمام قوت فکری کو صرف کر چکی ہے۔

دور حاضر کے مغربی مفکرین نے اجتماعی مسائل کے لاینحل اور دشوار عقدوں کو اپنے مذاہب قدیمہ (جو در حقیقت منسوخ شدہ ہیں) سے مبصرانہ اور محققانہ طور پر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اجتماعی مسائل کو دیرینہ مذاہب کے اثرات، سے نکال کر اور بے موسم، بے موقع قیود اور پابندیوں سے رہا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قدیم آسمانی مذاہب اس دور کمال میں اسی قابل ہیں کہ انہیں متروک العمل کر دیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اگلی دنیا راحتوں اور نعمتوں کو اس دنیا کی راحتیں ترک کئے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ مذہب اور سائنس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ مذہب انسان کی دنیوی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ اس کا مقصد صرف انسان کی اخروی زندگی بہتر بنانا ہے۔ اور سائنس کو اگر ترقی کرنا ہے تو اسے ہر حالت میں مذہب سے علیحدہ ہو کر اس کام کو سر انجام دینا ہوگا۔ اس صورت حال کے پیش نظر سائنسدانوں کے دلوں میں یہ خوف راسخ ہو گیا کہ اگر انہوں نے خدا کو سائنس سے اور سائنس سے خدا کو جوڑنے کی کوشش کی تو وہ پھر

مذہبی اداروں اور عدالتوں کے محاسبہ کی زد میں آجائیں گے۔ اور اس طرح وہ اور ان کی سائنس دونوں ختم ہو جائیں گے
کلیسا اور ریاست کے جھگڑوں نے اتنا طول کھینچا اور اتنی شدت اختیار کی کہ بالآخر دونوں کو ایک دوسرے سے
الگ ہونا پڑا۔ اور عیسائیت کی تعلیم کے عین مطابق یہ فیصلہ کر دیا گیا۔ کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں
لیکن جب مذہب ایک دفعہ سیاست سے الگ کر دیا گیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ فرد یا جماعت کی زندگی کے کسی
اہم شعبہ پر اپنی گرفت قائم رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف فرد اور جماعت کی سیاسی زندگی مذہب سے الگ ہو گئی
بلکہ ان کی قانونی، سماجی، اقتصادی، فوجی، تعلیمی اور علمی زندگی کو بھی مذہب سے کوئی تعلق نہ رہا۔

اسے ایک عجیب اتفاق یا نوشتۂ تقدیر ہی سمجھئے کہ سائنس اور فلسفہ اسی حقیقت کی گرویدہ ہیں جس کی قرآن
حکیم تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ پورے وثوق، اعتماد اور اطمینان قلبی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک تدبیر الٰہی ہے کہ جدت
پسند زعما اور لیڈروں کے ذریعہ انسانیت کو فرسودہ اور منسوخ شدہ مذاہب و ادیان کے چنگل سے نجات دلا دی۔ اور اب
تدبیر الٰہی کا دوسرا قدم یہ ہے کہ تحقیق و تجسس کے ذریعہ انسانیت کو رضاکارانہ طور پر اجتماعیات، اسلام اور فطری
حکومت کی تابعداری کی راہ راست پر لا ڈالے۔

اللہ جل شانہ کے غیر متناہی احسانات کی برکت ہے کہ آج یورپ وغیرہ کے ماہرین سیاست راستہ کے ایک حصہ
کو طے کر چکے ہیں یعنی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ مذاہب جن کو وہ آسمانی مذاہب مانتے تھے وہ اب دورِ حاضر کے اجتماعی
مسائل اور زمانہ کی نت نئی ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ مگر راستہ کا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے کہ سیاست
میں اس مسلک کو معلوم کر لیں جو فطری ہے۔ امید قوی ہے کہ سعی پیہم اور جہد مسلسل سے کام لیا گیا تو جلد ہی وہ
اس حصہ کو بھی طے کر لیں گے۔

مغربی مفکرین نے اپنے دین سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اس ایجاد کردہ اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ سیاست
مذہب سے جدا اور مذہب سیاست سے جدا ہے۔ اور دین کو ایک شخصی اور انفرادی حق قرار دے کر حکومت و سیاست
کو اس پر مسلط کر دیا ہے اور فیصلہ یہ ہوا ہے کہ ہر فرد بشر اپنے مذہب میں انفرادی اور شخصی طور پر اس حد تک
آزاد ہے کہ وہ ملک کی عمومی سیاست سے متصادم نہ ہو۔ بصورت تصادم لازم ہوگا کہ مذہب قدم سیاست سے
پامال ہو کر دنیا کو اپنے وجود سے خالی کر دے۔

رہنمایان یورپ کا یہ فیصلہ اپنے بوسیدہ، پارینہ، منسوخ شدہ بلکہ مسخ شدہ مذاہب کے متعلق یقیناً درست
ہے۔ اسلام خود اپنی بلند و بالا سیاست کے پیش نظر مذاہب یورپ بلکہ جملہ مذاہب باطلہ کے متعلق یہی فیصلہ اور
حکم کرتا ہے۔ لہذا اہل یورپ کا اپنے مذاہب کو اپنی ترقی یافتہ بلند و بالا سیاست سے جدا کرنا اور اپنے مذاہب کو
حکومت و سیاست سے پست قرار دینا بالکل بجا اور حق ہے۔

لیکن ہمیں اپنے مسلمان ماہرین سیاست پر تعجب ہے کہ ان کی بدبختی نے اس سلسلہ میں بھی اہل یورپ کی جاہلانہ اور کورانہ تقلید کو ضروری سمجھا چنانچہ جو فیصلہ اہل یورپ نے اپنے بے سوچے اور فرسودہ مذاہب کے متعلق کیا تھا ہمارے مسلمان سیاستدانوں نے بھی اپنے زندہ جاوید اور غیر منسوخ مذہب کے لئے اس فیصلہ کی نقل کر کے دین قیم اسلام کو سیاست و حکومت سے غیر متعلق سمجھ کر حاکمانہ اقتدار کے ماتحت قرار دیا۔

یہی سبب ہے کہ دور حاضر کے مدعیان سیاست نے انتہائی غیر ذمہ دارانہ طور پر "حکومت الٰہی" کو دائرہ اجتماعیت سے خارج کر دیا۔ اور دین اسلام کو ادیان منسوخہ کی صف میں کھڑا کر کے اس کے متعلق بھی یہی فیصلہ کر دیا کہ وہ شخصی اور وجدانی امر ہے۔

اگر آزادی کے ساتھ غور و فکر کی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ سیاست بھی اسلام کا ایسا ہی ایک شعبہ اور حصہ ہے جس طرح نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، نکاح و طلاق، بیع و شراء، صنعت و تجارت، معاشیات و اخلاقیات وغیرہ جس طرح ان حصوں کے لئے دین اسلام میں ہدایات موجود ہیں اسی طرح سیاست کے متعلق بھی واضح ہدایات پائی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض اہم حالات میں سیاست کے کسی اہم شعبہ میں کامیابی حاصل کرنے کو نماز جیسی اہم عبادت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین جیسے اہم معاملہ کو مؤخر کر دیا گیا اس کی تفصیل بعد کے اوراق میں آئے گی۔
سیاست و حکومت کو اسلام سے جدا تصور کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز روزہ اور دیگر عبادات کو اسلام سے الگ کر دیا جائے۔ یا جیسا کوئی شخص قانون حکومت کو اسی حکومت سے علیحدہ قرار دے۔

مغربی مفکرین نے کافی غور و فکر کے بعد اپنے مذاہب کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت لیکن ہمارے مفکرین اور سیاسی لیڈروں کی یہ کوشش نہ تحقیق سے تعلق رکھتی ہے اور نہ اس کو ذاتی اغراض و مفاد سے پاک کیا جا سکتا ہے

اس کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ عمومی طور پر اسلامی ممالک میں قیادت و سیادت کے لئے اپنا اپنا استحقاق ثابت کرنے والی جماعتیں اور افراد، عرصہ دراز سے لاقیدی اور اصول شکنی کے عادی اور گرویدہ ہو چکے ہیں۔ اور اپنی رائے اور فیصلہ کے خلاف کسی قسم کی پابندی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

چنانچہ سیاست کو اسلام سے جدا کرنے اور اسلام کو ایک شخصی اور وجدانی چیز قرار دینے سے ان حضرات کا وہی منشاء ہے جو عیسائیت کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ حکومت الٰہی کی پابندیوں سے نجات حاصل کر لیں اور اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق من مانی مرادیں پوری کریں۔

ہمارے ان "دانشمندوں" کی ناکام سعی اور ترقی معکوس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدار صرف چند انفرادی مسائل (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ) میں محدود مان کر باقی تمام نوع انسانی کو انفرادی اور اجتماعی مسائل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے آزاد کر لیتے ہیں یا بالفاظ دیگر اقتدار خداوندی کو بشریت کی حاکمیت سے معزول کر ڈالتے ہیں (نعوذ باللہ)

ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے اس تراشے ہوئے اصول کہ "سیاست مذہب سے جدا اور مذہب پر حاکم ہے" کی زوردار تبلیغ صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کسی جماعت کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور ان کی غرض اس سے وابستہ ہو جاتی ہے۔

اہلِ غرض کی ان غیر پسندیدہ مساعی کے برخلاف پاک نفس اور سعادت طلب انسانوں کے لئے قرآن حکیم کی تبلیغ یہ ہے

ا۔ کہ حکومت اور فرماں روائی علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ لہٰذا کسی بشر واحد، جماعت، قوم اور ملت کو یہ حق ہرگز نہیں کہ وہ حاکمیت اور مالکیت کا دعویٰ کرے۔

ب۔ عبدیت و فرماں برداری اور حکومت الٰہی کی تابعداری بشری خاصہ ہے۔ فرماں روائی اور فرماں برداری لامحالہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قرآن حکیم نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت پر زور دیا اور اسی طرح اس حقیقت اور اجتماعی اساس کو پوری قوت سے واضح کر دیا کہ انسان کا دامن، اقتدار، حاکمیت اور فرماں روائی کی قوت سے بالکل خالی ہے۔

پس جو شخص اپنی جماعتی یا شخصی طاقت کو انسانی حکومت کے قائم کرنے میں صرف کرتا ہے وہ ایک ایسا وزیر اعظم ہے جس کو اس لئے اقتدار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے آقا کے نام پر ایک وفادار حکومت قائم کرے لیکن اس نے اس عطائی اقتدار سے اپنے آقا اور مالک کے بجائے خود اپنی حکومت و ریاست قائم کر لی۔ قرآن حکیم اپنے بنیادی اصول سے ایک لمحہ کے لئے بھی دست کش نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یورپ کے ایجاد کردہ اصول پر ہم قدم بھی نہیں چل سکتے کہ ناچیز انسان کو حاکم علی الاطلاق تسلیم کر لیں۔ اور خدا تعالیٰ کی حاکمیت کے حلقہ کو اپنی گردنوں سے نکال باہر پھینکیں۔

تعلیم قرآن کا علمبردار ایک صاحب بصیرت انسان ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ قرآن حکیم کو پس پشت ڈال کر اپنی آنکھیں پھوڑے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہمارا مذہب سیاست سے جدا اور خود ساختہ حکومت و قانون کے ماتحت ہے۔

لہٰذا ہر مسلم خدا پرست اور حق شناس کا فرض منصبی ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب کے امتیازات کے متعلق قرآنی فرمان کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی اجتماعی زندگی میں "صراط مستقیم" کو پہچانے اور تمام طالبانِ حق کے سامنے اس نکتہ کی علمی اور عملی تبلیغ کر کے نوع انسانی کی عمومی سعادت کے لئے عظیم الشان جدوجہد کرے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے حضرت علامہ منصور انصاری غازیؒ کی کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔

مولانا عبدالحی فاروقی ایم اے

شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ تصوف

یہ مقالہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
نئی دہلی کے سیمینار میں پڑھا گیا تھا

سترہویں صدی کی آخری دہائیاں چل رہی تھیں مغل سلطنت اپنے عروج کے بعد ایک ٹھہراؤ کے مقام پر آ چکی تھی۔ مذہبی اعتبار سے ہندوستان کے لئے یہ زمانہ نہایت سعید اور سازگار تھا۔ سرزمین ہند عمومی طور پر اور دہلی و اس کے آس پاس کا علاقہ خصوصی طور پر فقراء اور مجاذیب سے منور تھا۔ انہیں نفوس قدسیہ میں سے ایک شخصیت شاہ عبدالرحیمؒ کے نام سے ابھرتی ہے جن کو ساٹھ سال کی عمر میں غیبی طور پر عقد ثانی کا حکم ملتا ہے۔ اور بشارتیں ملنے لگتی ہیں کہ تم کو ایک بلند اقبال اور ہونہار بچے سے نوازا جائے گا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ روحانی طور پر انہیں اطلاع دیتے ہیں کہ عنقریب تمہارے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جب نام میرے نام پر رکھنا۔ غرض ان اشارات کے بموجب شاہ عبدالرحیم نے دوسرا عقد کیا جس سے ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء کو صبح صادق کے وقت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے۔ نام آپ کا قطب الدین احمد، تاریخی عظیم الدین اور کنیت ابوالفیاض تھی۔ لیکن شہرت و مقبولیت ولی اللہ کے نام سے ہوئی۔ اس بچے کی عظمت کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ ابھی آپ ماں کی آغوش ہی میں تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک عجیب و غریب پرندہ شاہ عبدالرحیم کے پاس آیا جس کے دہن میں ایک کاغذ تھا جس پر لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوکان النبوۃ بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ممکنًا لجعلناك نبیًا و لکنها انقطعت به۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبوت ممکن ہوتی تو ہم آپ کو نبی بنا دیتے لیکن اب وہ منقطع ہے۔ تفہیمات ج ۲

شاہ عبدالرحیم نے اس بشارت کی یہ تعبیر دی کہ یہ شیر خوار بچہ آگے چل کر ولی کامل ہوگا۔

شیر خوارگی کا یہ زمانہ ختم ہوا لڑکپن کا دور آیا۔ اس وقت بھی آپ شرافت و متانت کے پیکر تھے۔ ہمیشہ سنجیدہ، سادہ اور پروقار نظر آتے تھے۔ فطرۃً کھیل کود کی طرف بھی طبیعت مائل نہ تھی۔

جب آپ نے عمر کی پانچویں منزل میں قدم رکھا تو آپ کے والد نے تعلیم کا سلسلہ شروع کرادیا۔ سات سال کے ہوئے تو حافظِ قرآن ہو گئے۔ اور فارسی کا مروجہ نصاب بھی مکمل کر لیا۔ اسی سال آپ کو پہلا روزہ بھی رکھوایا گیا تھا۔ اس کے بعد عربی کی تعلیم شروع کرائی گئی۔ دس سال کی عمر میں آپ شرح جامی جیسی کتاب کے طالب علم تھے۔ یہاں تک کہ پندرہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی۔ اسی سال والد محترم شاہ عبدالرحیمؒ نے آپ کو اپنی بیعت میں لے لیا۔ اور اوراد و وظائف کی مشق شروع کرادی۔ آپ کی یہ پہلی اور بنیادی بیعت سلسلہ نقشبندیہ میں ہوئی تھی۔ اور آپ نے اس میں سلوک کے پورے منازل طے کر لیے تھے۔

شاہ عبدالرحیم چونکہ خود بھی ایک مجتہد فن تھے اور باطنی فیض سے مالامال تھے۔ اس لئے ان کی خصوصی توجہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف ہمیشہ مبذول رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے آداب طریقت کی تعلیم کچھ اس نہج پہ فرمائی کہ شاہ صاحب بہت جلد اپنی باطنی نسبت درست کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

تعلیم اور سلوک طے کرنے کے بعد شاہ صاحب نے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کر دیا۔ جس کی بنیاد شاہ عبدالرحیم پہلے ہی ڈال چکے تھے۔ یہ مدرسہ ٹھیک اسی جگہ پر واقع تھا جہاں آج نئی دہلی میں مولانا آزاد میڈیکل کالج کی عمارت ہے۔ جس کی پشت پر محلہ "مہندیاں" واقع ہے۔ اب آج اسی مہندیاں میں شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان تا قیام قیامت آسودۂ رحمت ہے۔

مسلسل بارہ سال تک آپ اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ تدریس کی اس مدت میں آپ نے معقولات و منقولات میں ہر قسم کی کتابیں پڑھائیں اور ہر علم میں آپ کو غور و فکر اور تدبر و تامل کا موقع ملا۔

بارہ سال درس دینے کے بعد آپ حج و زیارت کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ یہ زمانہ ۱۱۴۳ھ کا تھا۔ چودہ مہینے ارضِ مقدس میں قیام کر کے رجب ۱۱۴۵ھ میں دہلی واپس آئے۔ حجاز مقدس ہی میں دوسرے مشائخ و علماء کے علاوہ آپ کی ملاقات شیخ ابو طاہر کردی سے ہوئی جن سے خاص طور پر حدیث کی روایت کا موقع ملا۔ یہی شیخ ابو طاہر کردی آپ کے اسناد حدیث بھی تھے۔ اور انہی سے آپ کو بیشتر سلسلوں میں بیعت و خلافت کی اجازت حاصل ہوئی تھی۔ شاہ صاحب کی علمی سرگرمیوں اور دینی خدمات کے نقطۂ نظر سے یہ سفر حرمین نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کو اسی سفر میں آئندہ تجدیدی کارناموں کی بنیاد رکھنے کے لئے دربار رسالتؐ سے روحانی طور پر ایک مکمل اور مربوط پروگرام عطا کیا گیا تھا۔ جسے آپ نے ہندوستان واپس آ کر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

سفر حرمین سے واپسی کے چند روز بعد ہی آپ نے سلسلہ درس و تدریس پھر شروع کر دیا جس سے مدرسہ رحیمیہ نے ایک بار پھر مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ اس مرتبہ طلباء کی اتنی کثرت اور اتنا ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں جگہ کی قلت و تنگی محسوس ہونے لگی جس کو دیکھ کر ایک دنیادار بادشاہ جس کو تاریخ ہند ایک شرابی، عیاش، بے فکر اور آرام طلب

جیسے ناموں سے یاد کرتی ہے یعنی مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا نے شاہ جہاں آباد کے اندر کوچہ فولاد خاں کے عقب کلاں محل میں ایک وسیع و عریض محل سرا شاہ صاحب کے مدرسہ کے لئے وقف کر دی اسی محل سرا سے علم حدیث فقہ و تفسیر تصوف اور اسرار حکم کے وہ سوتے پھوٹے جس نے نہ صرف سرزمین ہند بلکہ بیرون ہند کو بھی سیراب و مالا مال کر دیا یہی محل سرا شاہ صاحب کے انقلابی پیروگراموں کے لئے ایک پلیٹ فارم بنی۔

یہیں سے احمد شاہ ابدالی کو پانی پت کے فیصلہ کن معرکہ کے لئے دعوت دی گئی یہیں سے جاٹوں اور مرہٹوں کی چیرہ دستیوں سے مدافعت کی گئی یہیں سے نادر شاہی افواج کے ظلم و ستم کی خونچکاں داستان کا ورق الٹا گیا۔

میرا وجدان کہتا ہے کہ چاہے دنیا کچھ بھی کہے مگر محمد شاہ رنگیلے کی ساری میخواریاں، ساری عیاشیاں اور اس کی ساری عیش کوشیاں ایک طرف اور شاہ صاحبؒ کے مدرسہ کے لئے اس کا یہ عطیہ دوسری طرف یقیناً تنہا یہی اس کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ یہ اسی کا تو زمانہ تھا کہ بقول شاہ عبد العزیز صاحبؒ اسی دہلی شہر میں بیک وقت ۲۲ اولیاء و مشائخ موجود تھے چنانچہ اسی زمانہ سے دہلی "۲۲ خواجہ کی چوکھٹ" کے نام سے مشہور ہوئی ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی زندگی میں مغل تخت حکومت پر اورنگ زیب سے لے کر شاہ عالم تک گیارہ بادشاہوں کو اترتے چڑھتے دیکھا تھا۔ آج ایک ہے تو کل دوسرا۔ آج اس کی گردن اڑی تو کل دوسرے کو معزول کیا گیا غرض کہ ایک افراتفری کا زمانہ تھا۔ ملک کی ہر عالمی طاقت دہلی آکر تہس نہس کر دیتی تھی۔ لہذا اٹھارہویں صدی ملک کی تاریخ میں انتشار و اضطراب اور بے چینی و بدامنی کی علامت بن گئی تھی۔ ان نامساعد حالات میں بھی دہلی کے اندر شاہ ولی اللہ اپنی مسند درس بچھائے علوم و معرفت کے دریا بہا رہے تھے۔

شاہ صاحب کی ساری تصانیف جن میں سے اب تو بعض کے صرف نام ہی کتابوں میں ملتے ہیں ان کی مجموعی تعداد لگ بھگ ستر کے قریب ہے۔ یہ تصنیفات مختلف علوم پر حاوی ہیں۔ ان تصنیفات میں تیرہ سے زائد وہ رسالے اور کتابیں ہیں جو خالص تصوف سے متعلق ہیں جن میں القول الجمیل۔ فیوض الحرمین۔ الخیر الکثیر۔ البدور البازغہ۔ تفہیمات الہیہ۔ الطاف القدس۔ سطعات۔ اور ہمعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میں نے اس وقت شاہ صاحب کی ان دوسری تصانیف کا ذکر قصداً نہیں کیا ہے جو تصوف سے خصوصی طور پر متعلق نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان خدمات کا جلیلہ کا تذکرہ کیا ہے جو ان کے مجدد مصلح اور حکیم الامت ہونے پر دال ہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت ہمارے موضوع بحث سے باہر ہیں۔ ورنہ حدیث و تفسیر فقہ و کلام پر جو ان کے نوادرات ہیں یا جو ان کی سیاسی، سماجی، معاشی اور دینی خدمات ہیں اگر ان پر کچھ لکھا جائے تو ہر موضوع پر مستقل الگ ایک کتاب لکھنا ہوگی۔

آپ نے عمر کے آخری حصہ میں مدرسہ رحیمیہ کی تدریسی ذمہ داریاں اپنے مخصوص تلامذہ کے سپرد کر دی تھیں اور خود مسترشدین و متوسلین کی بیعت و ارشاد میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں آپ بڈھانہ ضلع مظفر نگر یو۔ پی

میں قیام پذیر تھے اسی دوران مرض الموت میں گرفتار ہوئے اور علاج کے لئے دہلی لائے گئے۔ لیکن زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ بالآخر ۲ اگست ۱۷۶۲ء عیسوی کو ظہر کے وقت اکسٹھ سال ۴ ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور دہلی شہر پناہ کے باہر اپنے قدیم مدرسہ رحیمیہ میں جواب "مہندیاں" کہلاتا ہے سپرد رحمت کئے گئے۔

حضرت شاہ صاحب کے نظریات تصوف | تصوف کے نام سے جو اصطلاح آج کل علمی دنیا میں رائج ہے وہ آغاز اسلام میں نہ تھی۔ یہ اصطلاح بہت بعد کی پیداوار ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق یہ لفظ تھیوصوفی سے نکلا ہے۔ جو اصلاً یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی علم الٰہی یا علم معرفت کے ہیں لفظ تصوف کے ہم معنی ہے۔ صوفی اسی سے بنا ہے جس کے معنی عارف کے ہیں۔ (مسئلہ وحدت الوجود مؤلفہ مولوی صفوۃ الرحمٰن ص ۱۶) لیکن زیادہ تر صوفیا کا خیال یہ ہے کہ لفظ صوفی، صُوف سے مشتق ہے بالخصوص شیخ ابونصر سراجؒ فرماتے ہیں:-

صوفیا اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلاتے کیونکہ بھیڑوں کے اون کے کپڑے پہننا انبیاء، اولیاء اور برگزیدہ ہستیوں کا خاص نشان ہے۔" (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵)

عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تصوف کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ احسان کسے کہتے ہیں اس کی تعریف خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

یہ ہے وہ احسان جو آگے چل کر مسلمانوں میں تصوف کے نام سے رواج پذیر ہوا۔

مذکورہ بالا حدیث نبوی پر بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی صاحب نے بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ حقیقی تصوف یہی ہے (حجۃ اللہ البالغہ) ایک دوسری جگہ اپنی کتاب ہمعات میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"دین اسلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری دوسری باطنی، اسلام کی ظاہری حیثیت کا تعلق تو ان احکام و اعمال سے ہے جن سے فرد اور جماعت کی خارجی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ اسی کو ہم شریعت کہتے ہیں نیکی اور طاعت سے انسان کے دل میں جو معنوی کیفیات پیدا ہوتی ہیں ان کو ہم طریقت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

اس طرح شاہ صاحبؒ دین کی اس باطنی حیثیت کو احسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں آپ جس طرح تفسیر و فقہ اور علم حدیث کے امام تھے۔ اسی طرح تصوف کے بھی امام تھے۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں چاروں طرف اسی کا چرچا تھا بالخصوص آپ کا خاندان تو اس خاص فن میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کے دادا شاہ وجیہہ الدین۔ آپ کے والد

شاہ عبدالرحیمؒ اور آپ کے چچا شاہ ابو رضاؒ اپنے وقت کے زہاد اور عباد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

سلسلہ تصوف | شاہ صاحب ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تعلیم بھی اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ سے حاصل کی تھی۔ انہوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کر کے خلافت سے سرفراز فرمایا تھا پھر آپ حجاز تشریف لے گئے جہاں شیخ ابوطاہر کردیؒ سے بیعت ہو کر خرقہ و خلافت حاصل کیا جو تمام سلسلوں کا جامع تھا۔

فن تصوف کی معروف کتاب ہمعات میں آپ نے صوفیاء کے تمام خانوادوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اللہ پاک نے مجھے تمام گذشتہ خانوادوں سے یا ان میں اکثر سے ربط و تعلق عطا فرمایا ہے۔

اسی طرح الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

> "آج روئے زمین پر جتنے بھی تصوف و سلوک کے خانوادے موجود و مشہور ہیں ان سب سے یا اکثر سے مجھے ارتباط حاصل ہے۔ اور پھر ان سب سے مجھے بیعت، صحبت، خرقہ اور اجازت بھی حاصل ہو چکی ہے۔"

شاہ صاحب کو جن خانوادوں سے بیعت و اجازت حاصل تھی ان میں سے چند یہ ہیں :-

نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، مشترعیہ، مجددیہ، جنوریہ، خردیہ، اکبریہ، ابوالعلائیہ، نوریہ، معصومیہ جامیہ، نظامیہ، سراجیہ، قدوسیہ، صابریہ، کبرویہ، ہمدانیہ، عیدروسیہ، شاذلیہ، شطاریہ اور مداریہ وغیرہ۔

لیکن میرے نزدیک ان تمام خانوادوں اور سلسلوں کے مقابلہ میں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ اولیسی المشرب تھے یعنی آپ کو براہ راست بارگاہ نبوت سے رشد و ہدایت، رہنمائی اور شاگردی حاصل تھی۔ لہذا فیوض الحرمین میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

> "مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود سلوک کا راستہ طے کرایا ہے اور خود اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی ہے۔ لہذا میں اولیسی اور آپ کا بلاواسطہ شاگرد ہوں۔"

یہ خصوصیت شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ ذات نبویؐ سے براہ راست ذکر و اذکار اور سلوک کی تعلیم ہندوستانی علماء و صوفیاء میں صرف چند ہی کو حاصل ہوئی ہے جن میں سے ایک امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی بھی تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنی تصنیفات میں متعدد جگہوں پر اور فیوض الحرمین میں خاص طور سے کئی مقامات پر تحریر کیا ہے کہ مجھے جب بھی کوئی علمی یا روحانی دشواری پیش آتی ہے تو میں فوراً روح نبویؐ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں آپ کی روح پاک مجھے ڈھانک لیتی ہے۔ اور میری استعانت فرماتی ہے جس سے میری دشواریوں کا حل نکل آتا ہے۔

جب سالک روحانی طور پر اتنے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی مخصوص سلسلہ یا خانوادے کا پابند نہیں رہتا۔ بلکہ اس کا خود ایک سلسلہ اور مسلک بن جاتا ہے جو دوسروں کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا ہے۔

شاہ صاحب تصوف کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ دین و شریعت بغیر احسان و اخلاص ایک جسم بے روح کے مثل ہے۔ اس سے علیحدگی اختیار کرنا دینِ شریعت کو ایک سیاسی تحریک بنا لینے کے مترادف ہوگا۔

شریعت و طریقت | آپ کے زمانے میں شریعت و طریقت کی دو جداگانہ اصطلاحیں بڑے زور و شور سے رائج تھیں علماء ظاہر اور صوفیائے خام دونوں باہم دست و گریبان تھے۔ یہ علمائے خشک اور بے جان بحثوں میں الجھے، فلسفہ اور منطق کی گتھیاں سلجھاتے، ادب میں معانی و بیان کی گھاٹیوں کو طے کرتے اور دنیائے شعر و سخن میں عروض و قوافی کی موشگافیوں میں مبتلا تھے۔ کہیں آمین بالجہر کا قصہ تھا۔ کہیں ناسخ و منسوخ کی بحثیں تھیں۔ کہیں ناسخ و منسوخ کی بحثیں تھیں۔ کہیں خلافت و امامت کا چرچا۔ کہیں امام بخاری پر لے دے۔ کبھی ابن تیمیہ پر لعن طعن، کوئی ملا صدرہ اور میر باقر داماد کا معترف تو کوئی توضیح و تلویح، شرح عقائد و خیالی کا دلدادہ تھا۔ غرض کہ ان کا دماغ تو روشن تھا مگر اکثر ان کے دل ویران اور سوز و گداز سے خالی تھے۔ معاشرے میں ایک طرف تو یہ لوگ تھے۔ دوسری طرف صوفیائے خام اور جاہل پیروں کا تسلط تھا۔ سجادگی کے جھگڑے، سماع کے جواز اور عدم جواز کی بحثیں، تعویذ، گنڈوں اور ٹونے ٹوٹکوں کی حکمرانیاں تھیں۔ عشقِ حقیقی کی تلاش مجاز کے حسین و نوخیز چہروں میں کی جاتی تھیں۔ اپنے اکابر و اسلاف کے طریقہ کو بجائے روحانیت حاصل کرنے کے روزی روٹی کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا۔ غرض کہ پورا معاشرہ مضطرب و بے چین اور دو متضاد گروہوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طریقت کا نام لیوا دوسرا شریعت کا۔ دونوں ایک دوسرے کے درپے آزار تھے۔

تجدیدی کارنامہ | یہ تھا وہ ماحول جس میں شاہ صاحب نے آنکھ کھولی آپ نے دونوں گروہوں کو للکارا اور متنبہ کیا۔ چنانچہ آپ نے نہ تو جادۂ شریعت سے قدم ہٹانا گوارہ کیا اور نہ ہی تصوف کو چھوڑنا پسند کیا۔ آپ نے شریعت اور طریقت کو باہم جمع کرنے کی کوشش کی اور یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال شاہ صاحب سے پہلے اور کہیں نہیں ملتی۔

تصوف میں شاہ صاحب کا یہ تجدیدی کارنامہ اس طرح ہے کہ عام طور پر صوفیائے کرام تصوف کی بنیاد لطائف ثلاثہ کو قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کے بدن میں تین خاص اعضاء ہیں۔ دماغ، قلب اور کبد جنہیں اطبا کی اصطلاح میں اعضاء رئیسہ کہا جاتا ہے۔ انہیں اعضاء کی مرکزی قوتوں کو تصوف کی زبان میں بالترتیب لطیفہ عقل لطیفہ قلب اور لطیفہ نفس کہا جاتا ہے۔ پھر ان کی آپس میں ترکیب و تحلیل سے مزید مقامات پیدا ہوتے ہیں۔ عرصہ دراز سے صوفیا کی طرزِ فکر کی بنیاد انہی لطائف ثلاثہ پر چلی آرہی ہے لہٰذا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیم شریعت اور

راہ طریقت دو الگ الگ چیزیں بن گئیں۔

ان دونوں کے بارے میں دو جداگانہ حقیقتوں کا وہم ہونے لگا۔ چنانچہ یہ نظریہ قائم ہو گیا کہ شریعت علیحدہ شئے ہے اور طریقت علیحدہ شئے ہے۔ صوفیا رخام نے شریعت کو غیر ضروری قرار دیا اور علمائے ظاہر نے تصوف کو بے کار اور لایعنی چیز گردانا۔

حضرت شاہ صاحب نے ان ساری باتوں پر نظر ڈالی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایمان بالآخرت صوفیا کرام ہی کی صحبتوں میں کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ نیز ان کے سامنے یہ حقیقت بھی آئی کہ ایمان باللہ بغیر عقیدہ آخرت کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ایسی توحید جس کے ساتھ آخرت کا کوئی واضح تصور نہ ہو ہرگز معتبر نہیں۔ شاہ صاحب نے اس گتھی کو یوں سلجھایا کہ نہ صرف سارے اعتراضات ہی رفع ہو جاتے ہیں بلکہ ان دونوں میں یگانگت پیدا ہو جاتی۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک درخت کے دو پھل ہیں۔

شریعت و طریقت میں تطبیق کرنے کے لئے شاہ صاحبؒ نے مذکورہ بالا تین لطائف کے علاوہ ایک چوتھا لطیفہ "لطیفہ جوارح" کے نام سے مزید اضافہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لطائف دو رخ رکھتے ہیں۔ ایک رخ ظاہری اعضاء و جوارح کی طرف ہوتا ہے۔ اور دوسرا رخ اپنے منبع و سرچشمہ کی طرف ہوتا ہے۔ پہلے کو مکمل کرنے اور اپنانے کا نام شریعت ہے اور دوسرے کو تکمیل دینے کا نام احسان یا طریقت ہے۔ اب اس انداز فکر سے شریعت و طریقت اپنی اصل کے اعتبار سے دو مختلف چیزیں نہیں رکھتیں۔ یہی شاہ صاحبؒ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔

نظریۂ وحدت | دوسرا موضوع جو شاہ صاحب کے زمانے میں زیر بحث تھا وہ تھا وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ، صوفیا کرام مسئلہ توحید باری میں دو مختلف نظریات رکھتے تھے جن کی تعبیر لفظی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود سے کی جاتی تھی۔

اول الذکر نظریہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ کی طرف اور دوسرا شیخ احمد سرہندیؒ کی جانب منسوب تھا۔

شیخ محی الدین العربیؒ کا نظریہ ہندوستان میں صوفیا کرام کا عام مسلک تھا۔ دراصل صوفیا کو اس ملک میں جن اقوام سے قریب تر لانے کے لئے یہی نظریہ بڑا موثر ذریعہ تھا۔ لیکن وحدۃ الوجود کی غلط عملی تعبیر سے اکبر کے عہد میں بے اعتدالیاں پیدا ہونے لگیں اور بدقسمتی سے شریعت اور شعائر اسلامی کا استہزار درباری مسلک میں داخل ہو گیا چنانچہ امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ اس کی اصلاح کے لئے اٹھے۔ انہوں نے اس کے بالمقابل وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ ان کے گردو پیش کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ وحدۃ الوجود کا نظریہ سے امت کو ہٹا کر وحدۃ الشہود کے نظریہ پر کاربند کیا جائے۔ کیونکہ ملت اسلامیہ میں جن عقائد و خیالات کو فروغ ہو رہا تھا اس کے لئے ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط توجیہہ غذا کا کام دے رہی تھی۔

شیخ اکبر کے نظریہ وحدۃ الوجود امام ربانی کے وحدۃ الشہود اور شاہ ولی اللہ کی ان دونوں میں تطبیق کو مختصر الفاظ میں سمجھانے کے لئے سر احمد حسین مولف " فلسفہ فقرا " کا یہ اقتباس پیش خدمت ہے۔

" ابن عربی نے علم کے ذریعہ توحید باری کو سمجھانا چاہا تھا چونکہ علم کثرت کو ہمیشہ وحدت کے ذیل میں جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا قدرتی طور پر ابن عربی اس نتیجہ پر پہنچے کہ مظاہر کی بوقلمونی ایک ہی وجود کا حاصل ہے اور ان سب کی اصل ایک ہی وجود ہے۔ لہذا یہ ہے ہمہ اوست یا وحدت الوجود کا تصور توحید۔

اس کے برعکس مجدد الف ثانی نے عشق و محبت کی وجہ سے اس عقیدے کو سمجھانا اور حل کرنا چاہا چونکہ عشق و محبت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ایک چاہنے والا ہو اور دوسرا وہ جس کو چاہا جائے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ دونوں الگ الگ ہوں کیونکہ اگر وہ ایک ہو جائیں گے تو محبت کا جوش و خروش باقی نہیں رہتا یہی رجحان اس خیال کا باعث ہوا کہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ۔ ایک خالق دوسرا مخلوق و نیاز مند۔ ایک فقیر دوسرا غنی، ایک مستغنی، دوسرا محتاج۔ دونوں نہ کبھی ایک تھے اور نہ کبھی ایک ہوں گے۔ لہذا یہ ہے ہمہ از وست یا وحدۃ الشہود کا نظریہ۔

لیکن حقیقت کے جویا افراد کا ایک گروہ اور بھی ہے جن کی قیادت کا فخر شاہ ولی اللہ دہلوی کو حاصل ہے ان کے نزدیک ہمہ اوست اور ہمہ از وست یعنی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بے عمل اور خدمت کے لئے خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ محبت ہم جنسوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کائنات کو اصل وجود ہی سے نکلا ہوا مانتے ہیں۔ بیشک ان کے نزدیک خدا ایک ہے اور وہ بے مثال ہے فہم و ادراک سے بالاتر ہے لیکن اس کائنات کا اسی سے صدور ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا اور کائنات کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے جسم اور روح کا ہوتا ہے۔ یا زمان و مکان کا جو بظاہر دیکھنے میں الگ الگ ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایک ہے "

وحدۃ الوجود ایک خالص علمی مسئلہ تھا جس کے سمجھنے کے لئے کافی علم درکار تھا۔ جب جاہل متصوفین نے اس کے اظہار و بیان کو اپنا مشغلہ بنا لیا تو انہوں نے اس کی ایسی تعبیریں کیں جو دین و شریعت اور سلوک و معرفت کے بالکل منافی تھیں جس کے نتیجہ میں مشرکانہ خیالات اور غیر اسلامی عقائد رونما ہونے لگے۔

شاہ ولی اللہ، ابن عربی اور امام ربانی دونوں سے مستفید ہوئے۔ آپ کے نزدیک امام ربانی جس کو وحدۃ الشہود کہتے ہیں۔ وہ خود ابن عربی کے یہاں موجود ہے۔ ابن عربی کے تصور سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں امام ربانی نے ان کی اصلاح فرما دی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابن عربی کا تصور وحدت غلط تھا۔ شاہ صاحب کے خیال میں خود ابن عربی بھی کائنات کو خالق کے مرادف نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ آخر یہ کائنات جس وجود سے نکلی ہے وہ وجود اللہ کے ماسوا کوئی دوسرا وجود تو نہیں ہو سکتا۔ کائنات اور خالق کائنات میں کیا تعلق

جناب احمد خان صاحب
ادارہ تحقیقات اسلامی

اقبال کی ایک غیر مدوّن نظم

پیسہ اخبار (لاہور) کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم منجھے ہوئے صحافی اور عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم دوست شخصیت کے بھی مالک تھے۔ پیرس کے مقام پر ۱۹۰۰ء میں ایک عظیم الشان بلکہ عجوبہ روزگار نمائش ہوئی تھی جس میں دنیا بھر کے ممتاز ممالک نے حصہ لیا تھا اسے دیکھنے کے لئے منشی صاحب نے بھی ارادہ فرمایا۔ لوگوں نے نہ صرف اس بات کی تائید کی بلکہ منشی صاحب کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کو خدا حافظ کہنے اور ان کی خدمات کے اظہار اور قدر دانی کے لئے لاہور میں کئی جلسے کئے۔ ان میں سے ایک الوداعی جلسہ ۲ مئی ۱۹۰۰ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع میدان میں منعقد ہوا جس میں لاہور کے عمائدین کے علاوہ سرکردہ مسلمان جمع ہوئے تھے۔ ان میں اس وقت کے اخبار "پنجاب آبزرور" کے ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس جلسے کی روئداد لکھی۔ اور پیسہ اخبار کے قائم مقام ایڈیٹر کو طباعت کے لئے بھیجی۔ جسے انہوں نے ۲ جون ۱۹۰۰ء کے پیسہ اخبار میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ضمیمے میں شائع کیا۔ اس روئداد میں علامہ اقبال کی ایک نظم بھی مذکور ہے جو انہوں نے جلسے میں پڑھی تھی۔

منشی محبوب عالم سے علامہ اقبال کو تعلق خاطر تو تھا ہی چونکہ اس موقع پر شہر کے عمائدین جمع تھے، اس لئے اس اجتماع کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علامہ صاحب بھی اس میں شریک ہوئے۔ ان معلومات کا ماخذ متذکرہ بالا روئداد ہے۔ جس میں لاہور کے ایک مشہور شاعر احمد حسن خان کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔ اور علامہ اقبال کو اس روئیداد میں بالکل اختتام پر جگہ دی گئی ہے اور وہ بھی جب جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ تو انہوں نے اپنی نظم پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بہت سے لوگ جا چکے تھے جو لوگ رہ گئے تھے انہیں علامہ اقبال نے وہ نظم پڑھ کر سنادی۔ باوجود اس عجلت کے علامہ صاحب نے وہاں وہ نظم بسکون قلب پڑھی۔ جس پر سامعین نے کافی داد دی۔

ممکن ہے سر عبدالقادر مرحوم کی یہیں پر پہلی مرتبہ علامہ اقبال سے شناسائی ہوئی ہو۔ چنانچہ اس جلسے کے اختتام پر پڑھی گئی یہ نظم علامہ اقبال نے سر عبدالقادر ہی کو دے دی جو اس روئداد میں شامل کر لی گئی۔ روئداد کے آخر میں سر عبدالقادر لکھتے ہیں۔

"یہ مختصر شکریہ ختم ہونے پر سب صاحبان ہال میں جہاں ریفرشمنٹ کا سامان تھا

تشریف لے آئے جہاں میوہ جات مٹھائی اور برف لیمونیڈ سوڈا واٹر وغیرہ پیش کئے گئے اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

اختتام جلسہ پر جب صرف پندرہ بیس اصحاب رہ گئے تھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم، اے جن کے اشعار کو کچھ عرصہ سے قبولیت حاصل ہے ایک نظم پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا افسوس رہا کہ ان کی نظم پہلے کیوں نہ پڑھی گئی۔ بہر حال وہ نظم بھی پڑھی گئی اور سامعین نے بہت داد دی۔ وہ بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

(۲)

یہ اردو نظم اس وقت تک علامہ اقبال کے کسی مجموعے میں جگہ نہیں پا سکی۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ شاعر کو اپنا کلام بہت عزیز ہوتا ہے۔ مگر وہ دیوان منظر عام پر لانے کے لئے اشعار کا انتخاب کرتا ہے۔ تو بلند معیار کی کسوٹی پر کس کر ہر شعر کو پرکھتا ہے۔ ممکن ہے علامہ صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہو اور اس نظم کو معیار سے گرا ہوا سمجھ کر دواوین میں جگہ نہ دی ہو۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نوخیز شاعر اپنے کلام کو چھپوانے کے شوق میں ہر وقت سرگرداں رہتا ہے۔ اس طرح علامہ اقبال کے ابتدائی دور کی اکثر نظمیں کئی اخباروں اور غیر معروف رسالوں میں بھی چھپی ہیں۔ مگر علامہ صاحب نے دیوان کی طباعت کے وقت اپنے حافظے، دوستوں کے ہاں موجود اپنا کلام۔ اپنے گھر میں موجود تحریرات، اخباروں اور رسالوں میں چھپنے والی انہی نظموں وغیرہ کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ جیسا کہ سر عبد القادر کا خیال ہے کہ:

"علامہ اقبال نے غالب کی طرح اشاعت کے لئے اپنے کلام کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب جب ان کو اپنے اردو کلام کی اشاعت کا خیال آیا۔ تو علامہ صاحب نے اپنے احباب سے کلام جمع کر کے بانگ درا کو مرتب کیا تھا۔"[1]

چنانچہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس جلدی میں علامہ کی کئی نظمیں مدون ہونے سے رہ گئی ہوں جن میں سے کچھ کا ذکر عبد الواحد صاحب معینی نے "باقیات اقبال" میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ کئی حضرات نے علامہ اقبال کا غیر مدون منظوم کلام جمع کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اور وہ حتی المقدور کامیاب بھی ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ سوال کریں کہ جس نظم یا شعر کو علامہ نے خود خواہ کسی وجہ سے اپنے دیوان میں مدون نہیں کیا۔ اسے اب آخر کیوں منصہ شہود پر لایا جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس خاص نظم سے علامہ کا ایک مسلمان عالم کے ساتھ ایک گونہ قلبی تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور

---

[1] عبد الواحد معینی۔ باقیات اقبال مقدمہ ص۔

پھر شاعر کی ابتدائی کاوشیں اس کے ذوقِ شعری اور ذہن کے ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتی ہیں جن سے شاعر کے متاخر عہد کے خدوخال متعین ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں اس سے اقبال کی زندگی کے اس خاص واقعہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ہماری رائے میں اس نظم کا علامہ اقبال سے متعلق ان کے عظیم شعری ذخیرے میں شامل کیا جانا ضروری ہے۔

(۳)

اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظم ہدیۂ ناظرین اور مداحین اقبال کی نذر ہے۔ پہلی مرتبہ یہ نظم پیسہ اخبار کے مذکورہ بالا ضمیمے میں شائع ہوئی۔ پھر منشی محبوب عالم صاحب نے اپنا "سفرنامہ یورپ و بلادِ روم شام و مصر" جب ستمبر ۱۹۰۸ء میں چھپوایا تو اس کے صفحہ ۸ تا ۱۰ میں متذکرہ بالا الوداعی پارٹی کی اس مطبوعہ روئداد کو من و عن درج کر دیا ہے جس میں یہ نظم بھی موجود ہے۔

نظم اقبال

سنیے حاضر ہے مطلعِ رنگین
جس پہ صدقے ہو شاہدِ تحسین

سوئے یورپ ہوتے وہ راہ سپر — مفت میں ہو گیا ستم ہم پر
آنکھ اپنی ہے اشک خونیں سے — غیرت کاسۂ مئے احمر
فتح ملکِ ہنر کو جاتے ہیں — ہم رکابی کو آ رہی ہے ظفر
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے — کھینچ کر لے چلا ہے ذوقِ نظر
فخر انساں کا ہے تلاشِ کمال — جستجو چاہیے مثالِ قمر
خوب تاڑا ہے سیر کا موقع — نکتہ بیں چاہیے نگاہِ بشر
سیرِ دریا میں ہیں ہزار مزے — جس کو دکھائے خالقِ اکبر
وہ سرِ شام بحر کی موجیں — مہر کی وہ خرام پانی پر
وہ سمندر بساط کی صورت — اور وہ موجوں کا کھیلنا چوسر
اور وہ چاندنی کہ بحر جیسے — اوڑھ لیتا ہے صورتِ چادر
دی خبر آپ نے یہ کیا ناگاہ — چپکے چپکے چبھو دیا نشتر
دوستوں کا فراق قاتل ہے — درد اٹھا ہے صورتِ محشر
آنکھ میں ہیں نہیں رواں لیکن — اشک اپنے ہیں مثلِ آبِ گہر
جائیے اور پھر کے آئیے گا — صورت بوئے نافۂ اذفر
اس طرح راہ آنکھ دیکھے گی — جوں مؤذن کو انتظارِ سحر

بزم یاراں رہے گی یوں خاموش　　جیسے چپ چاپ شام کو ہوں شجر

سر مژگاں پہ آگئے آنسو　　نکل آیا جو دل میں تھا مضمر

مدح احباب فرضِ انساں ہے　　لاؤں اس کے لئے میں خامہ زر

ہاں خموشی گناہ ہے ایسی　　جس طرح کفر ہجو پیغمبر

یہ حضر آپ کو مبارک ہو

یہ سفر آپ کو مبارک ہو

آپ ہیں محو سیرِ دریا ئے　　چشم احباب غم سے بھر آئی

رقص موجوں کا جاکے دیکھیں گے　　بھیج دی ہے جہاز کو سائی

صفحۂ اخبار کا جب آتا ہے　　بزم یورپ سے ہو شناسائی

دم رخصت وہ گرم جوشی ہے　　آتشِ عشق جس سے شرمائی

کسی کونے میں آلگتی ہے اسے　　گرمیِ آفتاب جو لائی

لب سے نکلا فی امان اللہ　　فخر کرتا ہے تاب گویائی

نشہ دوستی چڑھا ایسا　　شعر میں بھی ہے رنگ صہبائی

آب آئینہ پہ گراتے ہیں　　بسلامت روی و باز آئی

عزم پنجاب ہو مگر جلدی　　کہ نہیں طاقت شکیبائی

ہو نہ محبوب سے جدا کوئی　　اے رگ جان عالم آرائی

الغیاث اے معلم ثالث　　درد فرقت سے جان گھبرائی

ایسی پڑیا کوئی عنایت ہو　　دل سے اٹھے کہ وہ شفا پائی

آگیا جبر چپ رہو اقبال　　خامہ کرتا ہے عذر ہی پائی

توبہ کرلی ہے شعر گوئی سے　　اس کی قیمت پڑی نہ اک پائی

شعر سے بھاگتا ہوں میں کوسوں　　ہے یہ توحید اور میں عیسائی

آنچہ دانا کند کند ناداں　　لیک بعد از ہزار رسوائی

دوستوں کی رہے دعا حافظ

ہو سفر میں ترا خدا حافظ

جناب وحید الرحمٰن شاہ صاحب ایم اے
صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج پشاور

منظوم پشتو ادب کا ایک فقہی کتاب

رشید البیان ــــ از ملا عبد الرشید فاروقی مردانی

بارہویں صدی ہجری کے مشہور عالم و فاضل ملا عبد الرشید فاروقی قریشی بن سلطان حسین قریشی بن عبد الرحیم قریشی کی ضلع مردان کے موضع ننگر کوٹ (شہباز گڑھی مردان) میں ولادت ہوئی۔ آپ کے پردادا، والد مولانا عبد الرحیم فاروقی قریشی ملتان (پنجاب) کے ایک بڑے روحانی اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ملتان سے نقل مکانی کرکے صوبہ سرحد تشریف لائے اور یہاں بھی آپ کی حیثیت ایک روحانی پیشوا کی تھی۔[1]

مولانا عبد الرشید اپنے وقت کے اچھے ادیب و شاعر بھی تھے۔ آپ سرحد کے مشہور روحانی پیشوا حضرت شیخ محمد مسعود پشاوری (م ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲-۲۳ء) کے تلمیذ و مسترشد اور حضرت شیخ فقیر اللہ علوی شکارپوری سندھ (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) کے پیر بھائی تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ آپ کے شیخ حضرت محمد مسعود پشاوری (م ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲-۲۳ء) کا آپ کے نام ایک مکتوب موجود ہے جس میں آپ کو شیخ فقیر اللہ علوی (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) سے ان کی پہلی مرتبہ دوران سفر حج ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) میں صحبت سے مستفید ہونے کے لئے لکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ملا عبد الرشید) ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۸ء تک بقید حیات تھے۔[2]

زیر نظر کتاب کے علاوہ آپ نے مناقب شیخ پر "عاشق و معشوق" کے نام ایک قصیدہ اور ان کے ملفوظات کو لکھا[3] جو نایاب ہیں۔

---

[1] رشید البیان مطبوعہ حاجی عبد الخالق و فضل مالک تاجران کتب قصہ خوانی بازار پشاور ۱۹۷۷ء ص ۵۰ (ب) پښتانہ شعرا حصہ اول از ڈاکٹر عبد الحی حبیبی مطبوعہ منظور عام پریس پشاور ۱۹۶۴ء ص ۲۳۵ [2] (۱) مکتوبات فقیر اللہ علوی شکارپوری مطبوعہ کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور ص ۳۲۹ (ب) تقدمہ مقدمہ فتوحات الغیبیہ (قلمی عربی) از ڈاکٹر سید سعید اللہ پروفیسر شعبہ اسلامیات جامعہ پشاور ص ۲۰، ۹۲ [3] قرآن السعدین (قلمی) از اخوند رفیع بحوالہ تقدمہ مقدمہ فتوحات الغیبیہ ص ۹۲

مولانا نے زیرِ نظر کتاب "رشید البیان" پشتو نظم میں مثنوی کی طرز پر ۵ محرم ۱۱۲۹ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۷۱۶ء کو لکھی[1]۔ یہ عقائد و فقہ کے ابتدائی مسائل کے تقریباً ایک ہزار اشعار اور ۶۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ جسے مسلک احناف کے مطابق عام فہم، آسان اور رواں زبان میں منظوم کیا گیا ہے۔

پشتو کے مشہور ادیب صدیق اللہ رشتین نے رشید البیان کو "ابتدائی مسائل اور عقائد کا مجموعہ" کے نام سے پکارا ہے[2] اور عبدالحئی حبیبی صاحب نے اس کو فقہ اور عقائد کے ابتدائی مسائل کی کتاب فرمایا ہے[3] اور استاد محترم مولانا حافظ محمد عبدالقدوس قاسمی نے پختون خواہ میں مروجہ فقہی کتب میں رشید البیان کو اخون قاسم کی فوائد شریعت کے بعد دوسرے درجہ کا یاد کیا ہے[4]۔

"رشید البیان" فوائد شریعت اور نافع المسلمین معروف بہ "اخون گدا" کی طرح پختون خواہ میں نہایت متداول ہے۔ سینکڑوں بار مختلف اداروں نے اسے شائع کیا ہے اور عورتیں اسے بڑے ذوق شوق اور عقیدے کے ساتھ پڑھتی ہیں اور اکثر عورتوں کی زبان زد ہے۔

عربی الفاظ بہت کم استعمال کئے ہیں۔ آج سے تقریباً تین سو سال قبل کی یوسف زئی لہجے میں منظوم کیا ہوا ہے۔ لیکن قارئین اس میں آج بھی تازگی محسوس کرتے ہیں۔ اس کو شروع کرنے کے بعد دل چاہتا ہے کہ ختم کئے بغیر اسے نہ چھوڑیں۔

مؤلف کتاب نے کتاب کی ترتیب و تنظیم میں علم فقہ کی معتبر کتب سے استفادہ فرمایا ہے۔

اور اپنی طرف سے مسائل کو بیان کرنے میں کسی قسم کے حک و اضافے سے کام نہیں لیا ہے۔

مثلاً ہدایہ اولین برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (م ۵۹۳ھ و ۱۱۹۷ء)[5] میں کتاب الطہارت سے آیت قرآنی یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ الی قولہ تعالیٰ الی الکعبین کا منظوم ترجمہ ص ۱۲ پر یوں پیش کیا ہے۔

پہ اودس کښې څلور څیز ه — فریضه دي اے عزیزه

اول فرض د مخ وینځل دي — چه اودس کړه په صفوي

دویم وینځل دي د منګلو — د لا سو تر څنګلو

---

[1] رشید البیان ص ۵۰ [2] د پشتو ادب تاریخ از صدیق اللہ رشتین مطبوعہ عمومی کابل ص ۸۰ [3] پښتانہ شعراء حصہ اول از عبدالحئی حبیبی ص ۲۳۵ [4] ماہنامہ پشتو، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور دسمبر ۱۹۷۷ء "د پښتنو د پښتو دینی ادب ته یوہ کتنہ" از مولانا حافظ محمد عبدالقدوس قاسمی ص ۵ [5] لباب المعارف العلمیہ جلد ۱۔ از مولانا عبدالرحیم کاکوری مطبوعہ اخبار آگرہ بار اول ۱۹۱۵ء ص ۸۸۔

څلورم نماز گزاره — د پښو وینځل د پهر کو شماره

ترجمہ وضو میں چار چیزیں — فرض ہیں اے عزیز

اول منہ کا دھونا فرض ہے — ان پہ جو کوئی وضو کرتا ہے

دوم بازوؤں کو دھونا ہے — ہاتھوں سے کہنیوں تک

سوم سر کا مسح ہے — جو ربع سر سے اکثر ہو

چہارم نمازی کے لیے چاہیے — پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا

اسی طرح ابوالحسین محمد بن محمد قدوری (م ۴۲۸ھ / ۱۰۳۶ء)[1] کو مختصر القدوری کی مندرجہ ذیل عبارت کا رشید البیان کے منظوم اشعار سے موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ مؤلف مرحوم نے کتب فقہ سے مکمل استفادہ کیا ہے۔

مختصر القدوری صفحہ ۵۰

"من شک فی صلوته ولم یدر ثلاثا صلی ام اربعا فان کان له شک عرض له اول استانف الصلوة وان کان الشک یعرض له کثیرا یبنی علی غالب ظنه ان کان له ظن فان لم یکن له ظن بنی علی الیقین وهو الاقل"

رشید البیان، باب در بیان شک فی الصلوٰۃ ص ۳۳

هر نمانځه چه مونځ کوینه — که ئې شک په زړه کښې وينه

چه ما څو دي کړي ادا لي — که دا شان ئې دې ورومبي

فریضه شي به دې بانه — چه دا مونځ دې بیا وکانه

او که شک ډېر ډېر کیږي — په هېڅ شان تر بنه کېږي

په غالب یقین د جانه — عمل کانه واوره ما ته

شرع حکم په اقل که — په اقل دې دي عمل که

ہر ایک نمازی جو نماز پڑھتا ہے — اگر اس کے دل میں کوئی شک ہو

کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں — اگر یہ شک پہلی مرتبہ ہو

تو اس پر فرض یہ ہوتا ہے — کہ یہ نماز دوبارہ پڑھے

---

[1] لباب المعارف العلمیہ جلد ۱ - از مولانا عبدالرحیم کلاچوی مطبوعہ اخبار آگرہ بار اول ۱۹۱۸ء ص ۹۸

اور اگر شک ہمیشہ ہوتا رہتا ہے — اور یہ کسی نہ کسی طرح ہوتا رہتا ہے

تو غالب یقین پر اے عزیز — عمل کر مجھ سے سنیں

علم شرع اغلب پر ہے — اور اغلب پر وہ عمل کریں [لہ]

رشید البیان کی زبان اور اس کا بیان ماقبل کی کتب فقہ (پشتو میں) اخوند درویزہ (م ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء) کی مخزن اور اخون قاسم کی فوائد شریعت سے جامع اور واضح ہے بلکہ اگر اس کے بعد کے کتب پر نظر ڈالی جائے تو بیشتر کتب سے زیادہ عام فہم ہے۔ علاوہ ازیں رشید البیان اور فوائد شریعت کی فہارس عنوانات پر نظر ڈالنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے تمام مضامین تقریباً آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ البتہ فوائد شریعت میں رشید البیان کے مقابلہ میں تشریح مسائل اور حکایات وعظ و نصیحت زیادہ ہیں اور رشید البیان میں علاوہ حکایات کے ان کے باقی مسائل کا جامع منظوم خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

رشید البیان کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں ایک بڑا نمایاں فرق یہ ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخوں میں اکثر جگہیں طباعت سے رہ گئی ہیں۔ لیکن اکثر قارئین اس فرق کو محسوس نہیں کر سکتے۔ مختصر یہ کہ رشید البیان پشتون عوام و خواص بالخصوص عورتوں کے لئے مفید و متداول ہے۔ صدیوں سے اسے پڑھا جاتا ہے۔

لہ (ا) خزینۃ الاصفیاء (فارسی) از مفتی غلام سرور لاہوری مطبوعہ [illegible] پریس لاہور ۱۸۶۶ء / ص ۴۴۶ (ب) مخزن اسلام (پشتو) اخوند درویزہ ننگرہاری مطبوعہ دہلی (انڈیا) ترتیب و حواشی مولانا فضل محمود حمیدیہ پریس پشاور ۱۹۶۹ء

بقیہ: شاہ ولی اللہ

ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو تجلی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تجلی کی حقیقت معلوم ہو جانے سے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔ شاہ صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ تجلی کے معنی سمجھا دیتے ہیں کہ بندہ کس طرح خدا کی بات سن سکتا ہے۔ اور اس کو دیکھ سکتا ہے۔ ان کے نزدیک تجلی الٰہی جس مظہر پر عکس ریز ہوتی ہے وہ مظہر اس تجلی کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ چناں چہ اس وقت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ میں نے خدا کو دیکھا یا اس کی بات سنی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آئینہ میں ہم آفتاب کے عکس کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس عکس میں ہم اتنے منہمک ہو جائیں کہ آئینہ کا تصور ہی ذہن سے جاتا رہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے آفتاب کو دیکھا۔ تجلی کی ماہیت سمجھے بغیر ذات باری کا کائنات سے جو تعلق ہے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

آسمانوں کی حقیقت

ایک سوال اور اس کا جواب

موجودہ سائنسی ایجادات عیسائی محققین کی تگ ودو کا ثمرہ کہی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی نگاہ میں ان کی کیا حیثیت ہے؟ آسمان کیا چیز ہے؟ آسمانوں کی تخلیق کتنے دنوں میں ہوئی اور لفظ دن سے کیا مراد ہے؟ —— مسعود علی خان

بدقسمتی سے عیسائیت نے اپنے ابتدائی دور میں قدیم یونانی فلسفہ وحکمت کو اپنے مذہبی معتقدات میں شامل کر لیا اور پھر جب اسلام کے عروج کے بعد جدید علمی تحقیقات وفکری اجتہادات سے ان بنیادوں میں تزلزل واقع ہونا شروع ہوا تو اس کے مقابلہ میں عیسائی پادریوں نے علم وفکر پر پابندیاں عائد کرنی شروع کر دیں کیونکہ یہ علمی تحقیقات عیسائیت کی پوری عمارت کو پیوند خاک کر رہی تھیں۔ علم وفکر کی اس بیداری اور اس کی دن دونی تحریک کو دبانے میں ناکام ہو کر انہوں نے سائنسی تحقیقات کو اپنے صحیفوں کے اکثر بے ربط فقروں اور جملوں سے ثابت کر کے عیسائیت کے تن مردہ میں جان ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن مسیحیت اور آزاد خیال کے درمیان اس جنگ نے سائنس کو مذہب کا مدمقابل قرار دے دیا اور سائنٹفک طریقہ پر غور وخوض اور تجربات کے معنی یہ قرار پا گئے کہ گویا سائنسی طریقہ فکر (سائنسی فلسفہ) مذہبی طریق فکر کی عین ضد ہے اور جو شخص بھی سائنٹفک طریقہ سے کائنات کے مسائل پر غور کرے اس پر لازم ہے کہ مذہبی نظریہ سے ہٹ کر اس عالم طبعی (PHYSICAL WORLD) کے تمام آثار اور جملہ مظاہر کی علت خدا یا کسی فوق الطبیعت (SUPERNATURAL) ہستی کو مانے بغیر کائنات کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ جذبہ نہ تو عقلی واستدلال کا نتیجہ تھا اور نہ دلائل براہین سے خدا کے عدم وجود کو ثابت کیا جا سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ دعویٰ کیا جا سکتا تھا کہ فوق الطبیعت ہستی (SUPERNATURAL) کے وجود کا کوئی ثبوت (POSITIVE EVIDENCE)

سائنس کے پاس نہیں ہے۔ لیکن کسی چیز کے عدم ثبوت اور اس کے عدم وجود یا انکار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بہر حال یہ
نیا رجحان مذہب سے بیزاری کا نتیجہ تھا جو مسیحیت کی آزادیٔ خیال دشمنی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ ان حالات میں
مسلمانوں نے بھی جو پچھلی کئی صدیوں سے علم و فکر کے میدان میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اور جنہوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے
ساتھ دیگر تصورات بھی مغرب سے مستعار لئے یہ کوشش شروع کر دی کہ سائنسی تحقیقات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم
کے مطابق ثابت کیا جائے۔ حالانکہ قرآن کے نقطۂ نظر سے کائنات کے آثار کا مشاہدہ اس کے اسرار کی تحقیق۔ ان کے علمی قوانین
کی دریافت اور ان کو ترتیب دے کر قیاس اور برہان کے ذریعہ نتائج کا استنباط ——— ان میں کوئی چیز بھی اسلام کے
خلاف نہیں بلکہ قرآن حکیم جگہ جگہ ان حقائق پہ غور و خوض کی دعوت دیتا ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے
کہ قرآن نہ تو سائنسی حقائق کے انکشاف کے لئے نازل ہوا تھا اور نہ فلسفیانہ مباحث میں الجھنے کے لئے۔

یوں آپ غور فرمائیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ گذشتہ تحقیقات کی طرح آج کی سائنسی تحقیقات اور فلسفیانہ
انکشافات میں ایسی یقینیات بہت کم ہیں جن کے متعلق اعتماد کے ساتھ کہا جا سکے کہ آئندہ ان کے غلط ثابت ہونے کا
قطعی کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا اگر آج سائنسی انکشافات کا جواز قرآن کریم میں ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی تو پھر کل نئی
تحقیقات کی روشنی میں ان آیات سے انکار کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

یوں بھی جن چیزوں کی ماہیت معلوم کرنے کی صلاحیت خداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر ودیعت فرمائی ہیں۔ ان کو
قرآن میں بیان کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ دراصل قرآن کریم انسان کی رشد و ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اس میں عبرت
و بصیرت کے لئے اور خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے قدرت کی بعض ایسی واضح نشانیوں کی طرف صرف اشارہ
کیا گیا ہے جن کا ایک ایک ذرہ ذرہ رب السماوات والارض کے وجود و ثبوت اور اس کی قدرت کاملہ کا زبان حال
سے اعلان کر رہا ہے۔ ظاہر ہے جہاں کہیں ان مظاہر فطرت کو بیان کیا گیا ہے وہاں وہی زبان استعمال کی گئی ہے۔
جو قرآن کے مخاطبین کی سمجھ میں آسانی سے آ سکتی تھی۔ البتہ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے جن حقیقتوں
کی جانب اشارہ کیا گیا تھا انہیں اس زمانے کی سائنسی انکشافات و انکشافات نے اور بھی نکھار دیا ہے اور کہیں
سے بھی ان کی تردید نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بسا اوقات ان کو سمجھنے میں اور مدد ملتی ہے۔ میرا یقین ہے کہ علم کی ترقی کے ساتھ
قرآن میں جن حقیقتوں کی جانب مجمل اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے سمجھنے میں اور مدد ملتی رہے گی لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض
کیا ہے آج کے سائنسی انکشافات کے لئے قرآن سے سند لانے کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ کل ان تحقیقات کی
نوعیت میں کوئی تبدیلی یا نیا اضافہ ہو پھر اس وقت قرآنی آیات کو غلط CONTEXT میں استعمال کرکے اپنے لئے بلا
وجہ مشکلات پیدا کریں گے اور قرآن کے اصل مقصد کو بھی اس ضمنی اور غیر ضروری مباحث میں الجھا کر بھلا بیٹھیں گے ——
اب ان باتوں کی طرف آتے ہوئے جن کا تذکرہ آپ نے اپنے خط میں کیا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ عربی میں لفظ

"سما" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سروں کے اوپر بلندی پر پھیلی ہو۔ قرآن مجید کو زمین و آسمان کی طبعی و جغرافیائی ماہیت سے مطلق بحث نہیں لہذا "السما" سے مراد ہر وہ چیز ہو سکتی ہے جو انسان کے سر کے اوپر بلند ہے۔ یعنی سما میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے آسمان یا فضا اسی طرح اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بلند سے بلند سما رہے۔ اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں، طیاروں کی بلند پروازیاں سب اس کے اندر سما جائیں اور سب اس سے پست ہی ہیں۔ تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔

آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید کو بحث نہیں کیونکہ دنیا کا اخلاقی اور روحانی نظام آسمان کی ہیئت پر منحصر نہیں آسمان کوئی ٹھوس مادہ جسم رکھتا ہے یا محض خلا اس سے قرآن کو بحث نہیں۔ اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجرباتی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا ہے جو اس کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اس نے کر دیا ہے۔

آسمان و زمین کی پیدائش کے سلسلے میں آپ نے ۱۔ سورہ الفرقان آیت ۵۹ - ۲۔ حم سجدہ آیت ۹ سے ۱۲ ۳۔ التوبہ آیت ۳۶ ۔ اور البقرہ آیت ۲۹ کا ذکر کیا ہے۔ سورہ الفرقان میں یہ صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے ہم نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں بنایا۔ لیکن دن سے مراد زمانہ ہی ہو سکتا ہے یعنی چھ مختلف ادوار یا زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ یوم کا مطلب یوں بھی محاورہ عرب میں مدت کے معنی میں ہمیشہ مستعمل رہا ہے۔ اس طرح اگرچہ بائبل میں بھی (پیدائش ۱:۳۱) صبح و شام کا بھی ذکر ہے مگر یہاں دن رات مراد لینا ٹھیک نہ ہوگا کیونکہ زمین اور سورج کی گردش کا نام ہم نے دن رات رکھ چھوڑا ہے وہ "خلق السموٰت والارض" کے وقت موجود ہی نہیں تھے بلکہ عدم سے عالم وجود میں آ رہے تھے۔

سورہ حم السجدہ کی جن آیات کا حوالہ آپ نے دیا ہے اس مقام کی تفسیر میں اکثر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر زمین کی تخلیق کے دو دن (آیت ۹) اور اس میں پہاڑ جمانے اور برکتیں نازل کرنے (آیت ۱۰) اور سامان خوراک پیدا کرنے کے چار دن (دور یا زمانے) گن لیے جائیں تو آگے آسمانوں کی پیدائش میں جن دو دنوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے مزید دو دن ملا کر کل آٹھ دن بن جاتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر قرآن مجید میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کل چھ دنوں میں ہوئی ہے۔ اس بنا پر زیادہ تر مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہ چار دن زمین کی تخلیق کے دو دن سمیت ہیں یعنی دو دن تخلیق زمین کے لئے اور دو دن زمین کے اندر ان باقی چیزوں کی پیدائش کے لئے جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح جملہ چار دنوں میں زمین اپنے سر و سامان سمیت مکمل ہوئی۔

اکثر مفسرین اس توضیح کو غیر ضروری زحمت اور قرآن کے ظاہری الفاظ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زمین

کی تخلیق دو دن دراصل ان دنوں سے الگ نہیں ہے جن میں بحیثیت مجموعی پوری کائنات نہیں ہے۔ آگے کی آیات پر غور کیجئے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ان میں زمین و آسمان دونوں کی تخلیق کا یک جا ذکر کیا گیا ہے۔ اور پھر اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے دو دنوں میں سات آسمان بنائے۔ ان سات آسمانوں سے ظاہر ہے کہ پوری کائنات ہی مراد ہو سکتی ہے جس کا ایک جزو ہماری زمین بھی ہے۔ پھر جب کائنات کے دوسرے بے شمار تاروں اور سیاروں کی طرح یہ زمین بھی دو دنوں کے اندر ایک کرہ کی شکل اختیار کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذی حیات مخلوقات کے لئے تیار کرنا چاہا اور چار دنوں کے اندر اس میں وہ سب کچھ سر و سامان پیدا کر دیا جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے تاروں اور سیاروں میں ان چار دنوں میں کیا کچھ ترقیاتی کام کیے گئے۔ ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کیونکہ نزول قرآن کے دور کا انسان تو در کنار اس زمانے کے آدمی کے لئے بھی ان معلومات کے ہضم کرنے کی استعداد نہیں ہے۔

سورہ توبہ اور بقرہ میں بھی لفظ "یوم" کے استعمال سے آپ کو شبہ ہوا ہے۔ خاص طور پر سورہ توبہ کے اس جملے سے کہ "یوم خلق السموٰت والارض" آپ نے یہ مطلب نکالا ہے کہ زمین و آسمان ایک دن میں تخلیق کیے گئے۔ یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔ سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں یہ جملہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "جس روز سے آسمان و زمین پیدا کئے گئے" یہ بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے ہم کہتے ہیں کہ روزِ اول سے یہ اسی طرح ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ روز اول سے مقصود چوبیس گھنٹے والا ایک دن ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے عربی زبان اور محاورہ عرب اور خاص طور پر ان مطالب کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے جو قرن اول میں قرآن کے مخاطبین نے سمجھا تھا۔ اگر آپ یہ کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد قرآن کے اسرار و رموز کے بعض ایسے گوشے آپ کے سامنے آئیں گے جن تک سائنس سے ناواقف حضرات کی نظر نہیں پہنچی ہے۔ مگر اس کے لئے پہلے قرآن کریم کا تفصیلی مطالعہ ضروری ہے۔ اگر آپ کمی وقت کے باعث عربی میں مہارت نہیں حاصل کر سکتے تو اردو کی دو ایک مستند تفسیریں جیسے تفسیر ماجدی (اردو اور انگریزی) کا مطالعہ ضرور کریں ورنہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید نہیں۔

بقیہ: قرآن کریم کا زندہ اعجاز

لیکن سورہ قٓ میں اخوان لوط کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوم لوط کے لفظ سے اس کا ضرب اسی خاص عدد سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اخوان کے آجانے سے اس کے ضرب پورے ہو جاتے ہیں۔

اور بھی اس طرح کی کئی مثالیں اس شمارہ میں دی گئی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم خداوند کریم کا کلام ہے۔ اور اس کے کلام میں ہر جگہ ایک خاص نظام موجود ہے اور اس عددی حساب سے پورا کلام مربوط و مرتبط ہے۔

فسبحانہ ما اعظم شانہ

جواہرِ مطالعہ

اثرانگیز اقتباسات

اس عنوان سے مشاہیرِ اہلِ علم کی کتابوں سے ایسی مفید اور اثر انگیز عبارات کا انتخاب پیش ہوتا رہے گا جو جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے نہایت مؤثر اور مفید ہوں۔ ذیل میں مشاہیرِ اہلِ علم کی محسن کتابیں نامی کتاب سے دورانِ مطالعہ اخذ و انتخاب کیا گیا ہے۔ "ادارہ"

کتاب کی تاثیر "ایک ہی کتاب کو بہت سے لوگ پڑھتے ہیں، اثر مختلف لیتے ہیں، ایک ہی کتاب ایک دل میں خشیتِ الٰہی پاکیزگی اخلاق اخلاص پیدا کرتی ہے۔ دوسرے دل میں الحاد تمرّد اور اخلاقِ رذیلہ اسی کتاب کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فرق کیوں ہے؟ کتاب ایک مطالب وہی فرق ہے۔ تربیت استعداد قابلیت اور دل و دماغ پر صحبت کے اثر کا۔"

(نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شروانی ص۱۲)

سیرتِ نبویؐ کی عمارت "سیرتِ نبوی کی ہر بحث میں قرآنِ پاک میری عمارت کی بنیاد ہے اور حدیثِ نبویؐ اس کے نقش و نگار ہیں۔ اور اب یہی دونوں میرا سرمایہ اور یہی دونوں میرا زادِ راہ ہیں۔ ایک اصل ہے۔ دوسرا ظل۔ ایک وحی جلی ہے، دوسرا وحی خفی۔ ایک دلیل ہے۔ دوسرا نتیجہ جس کو یہ ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ وہ احول ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ۔"

(علامہ سید سلیمان ندوی ص۱۱)

طلبِ صادق کا اصول "اصل میں طالبِ حق کیلئے کلی اصول ایک ہی ہے۔ اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ صدقِ طلب شرط ہے پھر مجاہدہ کی کوئی راہ بھی حق رسی کا بہانہ بن جاتی ہے سُبل کی جمع میں بھی اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اگر کوئی گمراہی کے راستہ پر بھی پڑ گیا ہو تو وہ بھی اپنی ہی راہ سے سبلنا کیطرف مڑ جاتا ہے۔ یا موڑ لیا جاتا ہے۔ مجھ کو تو خود اپنے اور اپنے سے زاید احباب میں اس کا مشاہدہ ہوا طلبِ صادق و اخلاص کی بڑی قیمت ہے۔ پیاس ہو تو پانی کی کیا کمی ہے

آب کم جو تشنگی آور بدست ——— تاکہ آبت جوشد از بالا و پست

البتہ جھوٹی پیاس استسقاء کی ہلاکت ہے۔"

(مولانا عبدالباری صاحب ندوی ص۳۱)

شاہ ولی اللہ اور خلافت فاروقی | شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ دہلوی) کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ کے دور کو عمرؓ کے دور کی تمہید سمجھتے ہیں اور عثمانؓ کے دور کو اس کا نتیجہ یا تکمیل اب اس تمام خلافت میں وہ اصلی چیز فاروق اعظم پہ توجہ کرتے ہیں۔ اور فاروق اعظم نے چونکہ کسریٰ و قیصر کی حکومت فتح کر کے حکومت بنائی تھی جو شاہ صاحب کی تفسیر میں مقصد تھا نزول قرآنی کا تو فاروق اعظم کے کام کو وہ نبوت کے بعد قرآن کا بہترین مصداق مانتے ہیں۔ اور اسی پہ وہ ساری قوت صرف کر دیتے ہیں "

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ ص۲۱)

زہریلا لٹریچر مسموم کتابیں اور نوخیز اذہان | " اس جو تشریحاتی داستان سرائی میں طوالت سے میں نے قصداً کام لیا ہے۔ کیونکہ اپنے ان ہی ذاتی تجربات کی بنیاد پر میں ان مسموم ادبی کتابوں اور رسالوں کو نوخیز بچوں اور نوجوانوں کے لئے سم قاتل قرار دیتا ہوں جو حشراتی کیڑوں کیطرح آج آسمان و زمین سے ہر ہر گھر میں برس رہے ہیں۔ بچوں سے آگے بڑھ کر بچیوں تک کی تباہی و بربادی میں بے پناہ طوفانوں کا کام کر رہے ہیں، نسلیں برباد ہو رہی ہیں۔ اور گھرانے اجڑ رہے ہیں، مگر اس شکل میں کہ ان کاغذی سانپوں اور بچھوؤں سے ماں باپ بخوشی اپنے بچوں کو ڈسا رہے ہیں حکومت مدد کر رہی ہے۔ قوم کے لیڈر ایجوکیشن سوسائیٹیز اور خدا جانے کن کن مشنوں زہر کے یہ پیالے قوم کے نونہالوں کو بلیغ تقریروں اور فصیح اسپیچوں کے ذریعے پلا رہے ہیں۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ کہ تباہی کے اس طوفان کے انسداد کے سارے وسائل ختم ہو چکے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اور ہو کر رہے گا۔ ماقدر اللہ فسوف یکون واذا اراد اللہ بقوم سوءاً فلا مرد لہ وما لہ من وال "

(مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ص۴)

نبراس شرح عقائد | "جب شرح عقائد شروع ہوئی، تو میرے ایک پنجابی ملتانی استاد مولانا محمد اشرف مرحوم نے شرح عقائد کی ایک گمنام شرح کا پتہ دیا اس کا نام نبراس ہے۔ اور اب بھی لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ یہ ملتان ہی کے ایک معروف بزرگ مولانا عبد العزیز کی تصنیف ہے۔ اور ملتان ہی سے شائع بھی ہوئی ہے۔ کتاب منگائی گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ اس کتاب میں عام درسی نصاب سے زیادہ مفید چیزیں ملنے لگیں اور اس کے مطالعہ میں زیادہ لذت ملنے لگی۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ علم کلام کا تصوف کے نظری حصہ سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے نبراس ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی الجھنوں سے زیادہ واقعات سے دماغوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "

(ایضاً ص۵)

دیوبند کی غیر متعصبانہ تعلیم | " دیوبند کے دورۂ حدیث خصوصاً شیخ الہندؒ اور علامہ کشمیری کے درس کا بھی اثر یہی ہوا۔ کہ غیر متعصب حنفی ہو گیا۔ اور بحمد للہ اس وقت یہی حال ہے۔ غیر متعصب کا مطلب یہ ہے کہ شافعی حنفی اختلافات میری نگاہوں میں چنداں وقیع نہیں ہیں۔ ہر سلسلہ کے بزرگوں کا احترام دینی حیثیت سے

کرتا ہوں اور خواہ مخواہ بلا ضرورت فتنہ پردازی کیلئے عوام کے سامنے ان فروعی اختلافات کو چھیڑ کر تفریق بین المسلمین جیسے کبیرہ کے ارتکاب کو مذہبی جرم خیال کرتا ہوں۔ (ایضاً ص۵۵)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درس کے اثرات "۱۹۲۶ء میں تمام علوم و فنون درسیہ سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو حضرۃ مولانا سید محمد انور شاہ مرحوم سے بسلسلہ دورۂ حدیث بخاری اور ترمذی کا درس لینے کا شرف حاصل ہوا حضرۃ شاہ صاحب کا درس کیا تھا علوم و فنون کا بحر زخار تھا جو شروع سے آخر تک پوری تیزی سے موجزن رہتا تھا حضرت شاہ صاحب اپنی تقریر میں کثرت سے نامور مصنفین و ائمہ اسلام کے حالات ان کے علمی و عملی کارنامے اجتہادات اور ان پر تنقید وغیرہ بیان فرماتے رہتے۔ خصوصاً علامہ ابن جوزیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، حافظ ابن حجر وغیرہم کا ذکر تو بہت ہی رہتا تھا حضرۃ شاہ صاحب کی ان تقریروں سے ہی مجھ کو حافظ ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیم کی کتابوں کا شوق ہوا اور میں نے ان دونوں اماموں کی متعدد کتابیں پڑھیں کچھ سمجھ میں آئیں اور کچھ نہیں آئیں بہرحال پڑھیں سب"۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ ص۴۸)

قرآن مجید اور بے محابا گفتگو کا وبال "مرحومہ والدہ نے حفظِ قرآن کے لئے مجھ کو ایک سن رسیدہ اور معمر حافظ صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ اور میں حفظِ قرآن میں مصروف ہو گیا۔ مجھ کو یاد ہے کہ میں ایک روز اسی مکتب میں پڑھ رہا تھا جس میں مجھ کو حفظِ قرآن کیلئے بٹھا دیا گیا تھا کہ اتفاقاً سید محمد علی صاحب مرحوم تشریف لائے۔ میں حافظ صاحب کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ حافظ صاحب نے فرمایا کہ منشی مزاج علی (میرے والد کا نام ہے) کا۔ میں جانتا تھا کہ یہ صاحب میرے والد کے دوست ہیں۔ اس گفتگو کو سن کر اس امید پر ان کو دیکھنے لگا کہ یہ خوش ہوں گے۔ اور میری توصلہ افزائی فرمائیں گے۔ مگر خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم سید صاحب مرحوم کا چہرہ غصہ سے تمتما گیا اور بگڑ کر بولے کہ مزاج علی نے یہ کیا حماقت کی کہ اس معصوم بچے کو حفظِ قرآن میں لگا دیا۔ کیا ان کا یہ مقصد ہے کہ اس کو حافظ ہونے کے بعد قبروں پر تلاوتِ قرآن کی ملازمتیں کرنے اور فاتحہ کے حلوے کھانے پر مجبور کریں۔

میں اس وقت بہت ہی چھوٹی عمر کا تھا بعض الفاظ میں تو تلاپن بھی تھا کہ ان کو نقل کر کر کے میرے دوست ہنسا کرتے تھے۔ اس کم سنی کے باوجود مجھ کو یاد ہے کہ سید صاحب مرحوم کے یہ الفاظ مجھ کو بہت گراں گزرے اور میں نے ان کے اس کلام کو توہین قرآن کے مترادف سمجھا۔

سید صاحب مرحوم خود انگریزی تعلیم یافتہ نہ تھے۔ بلکہ شاید انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتے تھے۔ پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے بعض مرتبہ انگریز حاکم کے سامنے پیش شدہ کاغذات کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے آتے تھے۔ کچہری جاتے تھے تو عالمانہ وضع کا سیاہ جبہ پہن کر جاتے تھے۔ اور نہایت دینداری

یہ تھی کہ اس علوِ مرتبت کے باوجود ایام محرم میں مہندی اپنے ننگے سر پر رکھ کر اور ننگے پاؤں چل کر چڑھانے جایا کرتے تھے۔ آگے آگے باجہ بجتا تھا اور پیچھے وہ خود بہ ہیئت کذائی مع اپنے مسلمان عملہ کے ہوتے تھے۔ اس نہایت مقدس رسم میں میں نے بھی کئی سال شرکت کی ہے۔

غرض سید صاحب کی اس نامحمود سعی نے کامیابی حاصل نہ کی اور میں حافظ قرآن کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد ہی میری آنکھوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ سید صاحب مرحوم کی پنشن ہوئی۔ اور اس ضعیفی میں اس کو (خدا جانے کیوں) خیال آیا کہ ان کا چھوٹا بیٹا حافظ قرآن ہو۔ سید صاحب مرحوم صاحب ثروت تھے۔ اچھے اچھے استاذ اس غرض کی انجام دہی کیلئے ملازم رکھے اور برسوں رکھے مگر ان کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میرا تو اب تک یہی خیال ہے کہ شاید خالق عزّاسمہ کو سید صاحب مرحوم کی وہ عاجلانہ توہین پسند نہ ہوتی۔ جو کلام قدیم کی ہو گئی۔

(مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الفقہ والادب ص۹۱)

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف

"دیوبند کی طالب علمی کے بعد قبلہ نما مولوی محمد قاسم کی کتاب میرے لئے ایک بڑی محسن چیز ہے۔ میں یہ شبہ خود تو کبھی دل میں نہیں لاسکا کہ بیت اللہ کے سجدہ میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے۔ مگر جب یہ شبہ میرے سامنے آیا۔ تو میری طبیعت پوری طرح اس کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہوئی۔ میں جب قبلہ نما پڑھ چکا تو گویا میرا سارا بدن نئے ایمانی نور سے بھر گیا۔ اس کے بعض چیدہ چیدہ حصے آج تک میں بے نظیر مانتا ہوں۔ اس کتاب نے میری ذہنیت میں ایک دوسری تبدیلی پیدا کر دی دانشمندی حاصل کرنے میں جن مصنفین کی کتابیں مدرسوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے مصنفین کا ایک خاص اثر طالب علم کے دماغ پر پڑتا ہے وہ ان کی تحقیقات کو بے نظیر چیزیں سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اسی روشنی میں وہ کتاب وسنت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو میں نے قبلہ نما میں اس طرح پہچان لیا کہ وہ علامہ تفتازانی میر سید شریف ایسے بزرگوں سے اگر یہ ان کی محقق چیزوں کو نہیں مانتے اور اپنا مسلک ان سے جدا مقرر کرتے ہیں اور اپنے مسلک کی پابندی میں اتنے بڑے مشکل مسئلے کو حل کر دیتے ہیں۔ تو ان کا مسلک ان سے میرے نزدیک بہت زیادہ صحیح اور صاف ہے۔ یہی جراثیم تھے جو آگے چل کر شاہ ولی اللہ صاحب تک پہنچانے کے باعث بنے۔ اگر میں ان درسی کتابوں کے مصنفین کی تقلید سے آزاد نہ ہو جاتا۔ تو کبھی شاہ ولی اللہ کو امام نہ مانتا۔"

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ ص۳۷)

"اب تک مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق سنا تھا کہ شعر و خطابت میں اچھے تھے لیکن ٹوٹی پھوٹی، سہارنپوری اردو میں ان کے چند رسائل نظر سے گزرے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس زمانے میں جس علم کلام کی حاجت ہے۔ حضرۃ پر اسی کا الہام ہوا ہے۔ زبان سے قطع نظر کر کے مطالعہ میں مصروف ہوا اور اسلام کا ایک جدید نظام سامنے آگیا۔"

(سید مناظر احسن گیلانی ص۵۳)

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

شفیق فاروقی

۱۲؍صفر المظفر ـــــ عرصہ سے تجویز تھی کہ دارالعلوم کے لئے اپنا ایک قبرستان ہو جو اہل علم و فضل اور طلباء کے لئے مخصوص ہو۔ اس کے لئے دارالعلوم کے شمال مغرب میں عیدگاہ سے متصل ایک مختصر سا رقبہ تجویز کیا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث اور دیگر چند ایک اساتذۂ حدیث نے آج اس خطہ میں نشان لگایا اور دعا فرمائی۔ اس کے متصل دار التجوید والحفظ کی عمارت بنائی جائے گی انشاء اللہ۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس رقبہ کے قریب اپنے زیر تعمیر مکان کا سنگ بنیاد بھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے رکھوایا اس موقع پر بعض دیگر اکابر اساتذۂ حدیث بھی موجود تھے اور انہوں نے بھی بابرکت ہاتھوں سے پتھر رکھے۔

۲۸؍ربیع الاوّل ـــــ افغان مجاہدین کے حزب اسلامی کے ایک اہم قائد اور مجاہد رہنما مولانا جلال الدین حقانی فاضل حقانیہ و سابق استاد دارالعلوم حقانیہ چیف کمانڈر حزب اسلامی افغانستان اپنے شیخ حضرۃ شیخ الحدیث مدظلہ سے ملنے آئے۔ مجاہدین کی ایک جماعت جن میں کئی ایک فضلاء حقانیہ تھے بھی ان کے ساتھ تھے۔ نمازِ عصر سے مغرب تک حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ رہے۔ نماز مغرب کے بعد مولانا جلال الدین نے مسجد کے وسیع ہال میں طلباء کی خواہش پر روسی انقلاب پھر افغانی مجاہدین کی فتوحات اور حیرت انگیز نصرت خداوندی کے واقعات پر مبسوط تقریر فرمائی اس سے قبل اپنے استقبالی خطاب میں مولانا سمیع الحق صاحب نے مولانا جلال الدین اور دیگر مجاہدین کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

۲۹؍ربیع الاوّل ـــــ سورج گرہن ہو جانے کے موقع پر مسجد دارالعلوم میں صلوٰۃ کسوف ادا کی گئی جس میں تمام طلباء و اساتذہ اور کافی شہریوں نے شرکت کی۔

یکم ربیع الثانی ـــــ مولانا سمیع الحق صاحب نے مولانا عبیداللہ صاحب و مولانا فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ لاہور کی معیت میں اسلام آباد میں وزارت داخلہ اور وزارت مذہبی امور کے حکام سے اجلاس صد سالہ دیوبند کے لئے جانے والے پاکستانی علماء اور شائقین کو پاسپورٹ کی فراہمی کے سلسلہ میں فوری سہولت مہیا کرنے کیلئے ملاقاتیں کیں اور اب تک جمع ہو جانے والے افراد کی لسٹ فراہم کی۔

۲ ربیع الثانی ــــ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ دارالعلوم تشریف لائے نمازِ عشاء کے بعد دارالحدیث میں طلباء سے خطاب فرمایا۔ انہوں نے جناب حاجی شیر افضل خان مرحوم صدر تعمیری کمیٹی دارالعلوم کی تعزیت فرمائی اور رات ان کے مکان پہ قیام فرمایا۔

۹ ربیع الثانی ــــ مولانا درخواستی افغان مہاجرین مجاہدین کے سلسلہ میں اپنے دورہ کے اختتام پہ دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے اس سے قبل آپ نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی معیت میں خیرآباد میں واقع افغان مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کیا اور نمازِ مغرب ان کے ساتھ ادا کی اور مختصر خطاب فرمایا۔ نمازِ عشاء سے قبل آپ نے دارالعلوم کے دارالحدیث میں جہاد کے موضوع پہ طلبہ سے ایک بار پھر پُرتاثیر خطاب فرمایا۔
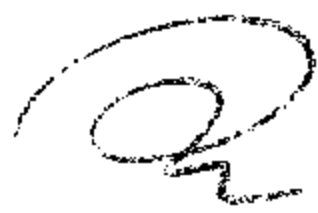
۱۰ ربیع الثانی ــــ مولانا درخواستی مدظلہ نے نوشہرہ کے قریب اضاخیل میں افغان مہاجرین کے بڑے کیمپ کا دورہ فرمایا۔ مولانا سمیع الحق صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے اور مولانا درخواستی مدظلہ سے قبل انہوں نے مہاجرین کے اس بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے علماءِ حق و مشائخ کی جماعت کیطرف سے ہمدردی اور تعاون کے جذبات و مساعی سے انہیں آگاہ کیا۔

۱۱ ربیع الثانی ــــ شدید انتظار کے بعد الحمدللہ کہ آج دارالعلوم میں سوئی گیس کا کنکشن آگیا اور مطبخ وغیرہ میں گیس کا استعمال ہونے لگا۔

۲۹ر فروری ــــ اکوڑہ خٹک کی مسجد اڈہ کی نئی عمارت کا افتتاح حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے خطبہ و نمازِ جمعہ سے فرمایا خطبہ سے قبل آپ نے بصیرت افروز خطاب بھی فرمایا۔

۲-۳ر جنوری ــــ دارالعلوم کے جشن صد سالہ میں پاکستانی حضرات کی شرکت کے لئے پالیسی طے کرنے کے بارہ میں وزارت مذہبی امور کے اعلیٰ حکام کا اجلاس اسلام آباد میں دو دن جاری رہا اور انتظامات کو آخری شکل دی گئی صوبہ سرحد سے اس سلسلے کے تمام امور کی ذمہ داری مولانا سمیع الحق صاحب کے ذمہ لگائی گئی اور آپ ہمہ تن ان انتظامات میں آخر تک مشغول رہے۔

۷ر جنوری ــــ مجاہدین افغانستان کی حرکت انقلاب اسلامی کے سربراہ مولانا محمد نبی صاحب اور حزب اسلامی افغانستان کے نائب صدر مولانا جلال الدین حقانی نے اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ الحدیث کی زیارت کی اور دونوں حضرات نے دفتر الحق میں مولانا سمیع الحق سے بھی دو تین گھنٹے تک تبادلہ خیال کیا۔

تعارف و تبصرۂ کتب

اختر راہی

امام اعظم ابوحنیفہؒ تالیف۔ مفتی عزیز الرحمٰن۔ ناشر: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۹۸۔
قیمت ۲۷/ روپے

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں اردو زبان میں متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کی "سیرت النعمان" اور شیخ ابوزہرہ کی امام ابوحنیفہ (ترجمہ) قابل ذکر کتابیں ہیں گا امام اعظمؒ کا کارنامہ اس قدر عظیم ہے کہ ہر دور میں ان کی سوانح حیات اور خدمات پر اہل قلم خامہ فرسائی کرتے رہیں گے۔ زیر نظر تالیف مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے پانچ سال کے مطالعہ و تحقیق کے بعد قلمبند کی ہے۔ کتاب گیارہ ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے دو ابواب میں تاریخی اور سیاسی پس منظر کے ساتھ امام اعظمؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخری باب میں ان کی عملی زندگی کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ باقی ابواب میں امام اعظمؒ کی علمی و اجتہادی خدمات، ان پر بے جا اعتراضات کی حقیقت اور فقہ اسلامی کے بعض بنیادی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

مؤلف موصوف نے امام اعظمؒ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب لکھے ہیں۔ اس حوالے سے امام صاحب کے ناقدین کا ذکر بھی آگیا ہے۔ مؤلف نے عموماً اعتدال اور حفظ مراتب کا دامن نہیں چھوڑا تاہم کہیں کہیں مناظرانہ رنگ کی آمیزش ہو گئی ہے۔

مؤلف موصوف ایک مدرس ہیں اس لئے کتاب میں تکرار بھی موجود ہے۔ ان کے اخذ کردہ بعض نتائج سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے صحیح بخاری اور مسند امام اعظمؒ کا جس انداز میں تقابل کیا ہے درست نہیں (مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی کتاب پر رائے دیتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی ہے۔)

کتاب میں ایک بڑی کمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ اس میں فہرست مضامین موجود نہیں۔ نیز ہر جگہ "صلی اللہ علیہ وسلم" کی بجائے ایک بے معنی لفظ "صلعم" لکھا گیا ہے۔ "صلعم" کی بجائے "صلی اللہ علیہ وسلم" کتابت ہونا چاہیے تھا۔

ان جزوی خامیوں کے باوجود کتاب اس قابل ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین و نفاذ سے دلچسپی رکھنے والوں کی نظر سے گزرے، اسلامیات اور قانون کے طلبہ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ رحمانیہ نے اچھے انداز میں کتاب شائع کی ہے۔ کتاب رنگین ٹائٹل کی مضبوط اور خوبصورت جلد سے آراستہ ہے۔